

# مُسلما نوں کی فرقہ بندیوں کا افسّخ

1944

❦❦❦

مولانا سید طرا حسن گیسو لانی

❦❦❦

ناشر

اِثَارَةُ اِسْلَامِ اِيْتِشَا اِهْوَا

اشاعت \_\_\_\_\_ مارچ ۱۹۶۶ء  
 باہتمام \_\_\_\_\_ مسعود اشرف عثمانی  
 طباعت \_\_\_\_\_ وفاق پریس لاہور  
 ناشر \_\_\_\_\_ ادارہ اسلامیات لاہور  
 قیمت \_\_\_\_\_ ۳/۷۵

۲۹۶۸  
 ۷۱۵۳  
 ۲۲۳۶۹



ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور  
 دارالاشاعت مولوی مسافر خانہ کراچی  
 ادارۃ المعارف، کراچی  
 مکتبہ دارالعلوم کراچی

**ملنے کے پتے :-**

## فہرست مضامین

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۵	فرقہ بندیوں کی دوسری بنیاد	۵	فرقہ تراشی کے لئے فرقہ بندی کا نام
۳۶	اسلامی پیغام کوئی نیا پیغام نہ تھا	۷	ستر کردہ مسلمانوں میں صرف دو
۳۷	اسلام اور آبائی پیشے		تین مذہبی فرقے پائے جاتے ہیں
۳۹	اسلامی پیغام لانیوں میں قرآنی رشتہ	۸	مغالطے کی وجہ
۴۱	مسلمانوں کا اہل کتاب سے رشتہ	۹	فرقہ بندیوں کی کثرت ابتداء
۴۲	یہود و نصاریٰ کے سوا دوسری دینی		اسلام میں کیوں ہوئی
	قوموں کے ساتھ صحابہ کا طرز عمل	۹	"سیاست ہی اسلام کی روح ہے"
۴۴	حضرت عمروالی روایت توراہ کے متعلق		فتنہ کی ابتداء اسی مسئلہ سے ہوئی
۴۸	توراہ کیساتھ مسلمانوں کے تعلق کی نوعیت	۱۲	نماز روزہ والا اسلام عامیانا دھرم ہے
۴۹	عبداللہ بن عمر صحابی اور توراہ		دوسرا فرقہ جو سرے سے حکومت
۴۹	ایک صحابی کا ختم قرآن اور ختم توراہ	۱۵	کی ضرورت کا منکر تھا۔
۵۱	غیر مسلم اقوام خصوصاً اہل کتاب کے پیشواؤں		حجراتی کے استحقاق کے
	کے ساتھ مسلمانوں کا طرز عمل	۱۹	متعلق مختلف نظریات
۵۲	یونانی فلاسفہ و اطباء کیساتھ ان کا طرز عمل	۲۰	حیات جاوید کا نظریہ
۵۳	مسلمانوں کو چوکنا رہنے کا مشورہ		حکومت کے اتذاری کی مستحق
۵۴	بخاری ہیں ابن عباس کا قول	۳۰	ملک کی کمزور پارٹی ہے



## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

### فرقہ تراشی کے لئے فرقہ بندی کا ماتم

مسلمانوں کی فرقہ بندیوں، نام نہاد فرقہ بندیوں کا ذکر کر کے کسی نئے فرقہ کی بنیاد قائم کرنے کا ادھر کچھ دنوں سے عام دستور ہو گیا ہے۔ ماتم کرنے والے پہلے امت مرحومہ کے اس خود تراشیدہ انتشار و تشتت کا مڑیہ پڑھتے ہیں اور اپنی ن ہی سینہ کو بیوں نوحہ خوانیوں کے ہنگاموں میں ماتم سرڑوں کا یہ گروہ شعوری یا غیر شعوری طور پر چاہتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے پہاڑ کر کسی ٹولی یا ٹکڑی کو اپنے اوپر جمع کر لے۔ بظاہر ان لوگوں کا حال حیدرآباد کے اس امیر کا سا ہے جس کے متعلق مشہور ہے کہ دشنام طرازی اور گالیوں کے بکنے کے عارضہ میں مبتلا ہو گیا تھا۔ کسی نے ان ہی امیر صاحب کی شکایت وقت کے انگریزی ریزیڈنٹ سے کی، ریزیڈنٹ نے امیر صاحب کو بلایا اور پوچھا کہ آپ لوگوں کو سنتا ہوں کہ گالیاں دیا کرتے ہیں۔ آپ کی یہ عادت اچھی نہیں ہے، امیر صاحب آگ بگولا ہو گئے اور طیش میں آکر ریزیڈنٹ کے سامنے فرمائشی گالیوں کے ساتھ جعلی کھانے والے کی تکذیب کرنے لگے، کہہ رہے تھے کہ کس... ایسے تیسے نے آپ تک یہ بات پہنچائی۔ ریزیڈنٹ مسکرانے لگا کہ آپ خود میرے سامنے بھی تو اسی کا اعادہ فرما رہے ہیں۔ جس کا انتساب چغلی خور نے آپ کی طرف کیا تھا۔

لے ساتویں صدی ہجری کے واقعات کو درج کرتے ہوئے ایسا ہی نے مرۃ الجنان میں ایک (باقی صفحہ ۶ پر)

خود ایک نئے فرقہ کو مسلمانوں میں بڑھا دینے کے لئے فرقہ بندیوں پر لعنت  
و ملامت کرنے والوں سے کون پوچھے کہ جس حرکت کا ارتکاب تم خود کر رہے ہو  
پرتھوہارا یہ لعن و طعن کس حد تک درست ہو سکتا ہے؟

اسی حال کو دیکھ کر خاکسار نے متعدد مضامین اور کتابوں میں اصل حقیقت  
کو ظاہر کرتے ہوئے حالانکہ بار بار لکھا کہ کرہ زمین کی اتنی طویل و عریض اُمت جس  
کی تعداد ارب نہیں تو نصف ارب سے یقیناً زیادہ ہو چکی ہے۔ اور ایٹہ اراؤنڈ  
کے سوا، یورپ کے بعض دور دراز علاقوں تک پھیلی ہوئی ہے، اس میں زبانوں

(بقیہ صفحہ ۵) اس واقعہ کا ذکر بھی کیا ہے کہ نظامیہ بغداد کے پندہ استادوں نے قوت حافظہ کو بڑھانے کیلئے بلاذر  
(بھلاواں) کھالیا اور سب پاگل ہو گئے اور شہرت باہر جنگوں میں مارے مارے پھرتے تھے۔ ان میں سے ایک مولوی  
صاحب چند دن بعد اس ہیئت گزارانہ کے ساتھ بغداد واپس ہوئے کہ ننگ و طرائف تھے، بالکل عریاں اور ننگے  
صرف سر پر پڑا طویل و عریض عمامہ بندھا ہوا تھا۔ شہر کے لوگوں سے ملے اور کہتے کہ مارے رفتا۔ نے جن میں خود  
میں بھی تھا بھلاواں کھالیا اور سب تو پاگل ہو گئے بس فقیر ہی کسی طرح ہوش و حواس لو قوام کے ہوئے تھا۔  
انتہائی مسامت اور سنجیدگی کے ساتھ گفتگو فرماتے۔ لوگ سمئے ص ۸۳ ج ۳ مرآۃ الجنان یا لینی۔

حاشیہ صفحہ ۱۱۱۱ مرحوم لیگ آف نیشن کے محکمہ اعداد و شمار نے جو فہرست شائع کی تھی اس میں ستر کروڑ کے قریب  
مسلمانوں کی تعداد ظاہر کی گئی تھی اس پر بھی کئی قرن گزر چکے ہیں۔ اس موقع پر امیر شکیبہ ارسلان مرحوم کی اس  
تنبیہ کو بھی یاد رکھنا چاہیے جس کا ذکر انہوں نے گھراب سٹوڈنٹس اور ڈیوڈ رڈ آف اسلام کے عربی ترجمہ کے نوٹ  
میں کیا ہے اس پر مرحوم نے لکھا ہے کہ یورپ کے عام مورخین کا یہ عام دستور ہے کہ بہت قدیم زمانہ میں مسلمانوں  
کی تعداد کا جو تخمینہ یورپ میں کیا گیا تھا اسی کو دہراتے رہتے ہیں حالانکہ روز بروز مسلمانوں کی تعداد مسلسل بڑھی  
ہی چلی جاتی ہے جرمنی کے ایک محقق ڈاکٹر ٹالس نے صرف افریقہ کے مسلمانوں کی تعداد کا تخمینہ کرتے ہوئے تیس سال  
پہلے لکھا تھا چھتر<sup>۶۶</sup> ملین کے قریب ہے اسی طرح انڈونیشیا روس چین وغیرہ کے مسلمانوں کی تعداد و جغرافیہ کی کتابوں  
میں گھٹا کر تباہی کے یورپ والے عموماً عادی ہیں۔ دیکھو کتاب کا عربی ترجمہ ص ۳۱ ج ۱۔

حساب سے دیکھا جائے تو سینکڑوں زبانوں کی بولنے والی قومیں شریک ہیں۔ یہی  
 الی نسلوں کا ہے۔ شاید ہی آدم کی اولاد کی کوئی قابل ذکر نسل ایسی باقی ہوگی جس  
 نے افراد "امت اسلامیہ" کے اس وسیع دائرے میں شریک نہیں ہیں۔ ان میں سامی  
 ریائی، تورانی نسلوں کے گورے، کالے، لال، پیلے سب ہی رنگ کے لوگ پائے

جاتے ہیں۔ **سنتِ کرور مسلمانوں میں صرف دو تین مذاہب ہی فرقے پائے جاتے ہیں**

لیکن ان باتوں کے باوجود نصف ارب سے زیادہ تعداد والی اس امت میں  
 کروڑ دیکھا جائے تو دس بیس نہیں واقعہ یہ ہے کہ تین چار فرقوں سے زیادہ ایسے گروہ  
 نہیں مل سکتے جن کے اختلاف و تفریق کو واقعی اختلاف و تفریق قرار دیا جاسکتا ہے  
 سب سے بڑا طبقہ ان لوگوں کا ہے جنہیں اہلسنت والجماعت یا سنی مسلمان کہتے ہیں  
 ان کے بعد دوسرا طبقہ شیعوں کا ہے اور جی چاہے تو مسقط اور عمان جیسے ساحلی علاقوں  
 یا افریقہ کے بعض دور دست خطوں میں رہنے والے خوارج یا نارتی مسلمانوں کو بھی  
 مسلمانوں کے تیسرے فرقے کی حیثیت سے شمار کر لیجئے۔ حالانکہ جہاں کروڑوں کی بات  
 ہو رہی ہو وہیں خارجی مسلمان جن کی تعداد جہاں تک میرا خیال ہے لاکھ ڈیڑھ لاکھ  
 سے بھی بہ مشکل متجاوز ہو سکتی ہے ان کا شمار کرنا نسخ کے سوا کچھ اور بھی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ لے دے کر یہی سنی اور شیعہ دو فرقے مسلمانوں میں ایسے ضرور  
 ہیں، جنہیں اس سلسلہ میں واقعی اہمیت حاصل ہے، ان دونوں فرقوں کے اختلافات  
 یقیناً ایسے اختلافات ہیں جن کی بنیاد پر کسی مذہبی امت کا ایک فرقہ دوسرے  
 فرقہ سے جدا ہو سکتا ہے۔ لیکن اہلسنت والجماعت کی تعداد کی کثرت کا مقابلہ

اگر شیعہ فرقہ کے مسلمانوں کی تعداد سے کیا جائے تو گو خوارج کی طرح اُن کو قریب قریب صفر قرار دینا تو حقائق و واقعات کی تکذیب ہوگی لیکن ساٹھ اور ستر کروڑ کے درمیان مسلمانوں کی جو تعداد ہے اس میں سے یہ مشکل چند کروڑ کو الگ کر دینے کے بعد باقی حصہ سنی مسلمان رہ جاتے ہیں۔ میں صحیح طور پر شیعہ طبقہ کے مسلمان کی تعداد بتا نہیں سکتا لیکن جن جن ممالک میں شیعہ طبقہ کے لوگ آباد ہیں ہم ان سے بھی واقف ہیں اور بھی جانتے ہیں کہ ایران کے سوا اسلامی ممالک میں شاید ہزار میں ایک سے زیادہ شیعہ ہونا ان کا آسان نہیں ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ دوسرے ادیان و مذاہب کے مقابلہ میں منجملہ دوسری خصوصیتوں کے اسلام کی یہ بھی گویا ایک اعجازی خصوصیت ہے کہ جہاں غیر اسلامی اقوام میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ ایک ایک مذہب ایک ایک دین سے ماننے والوں میں سینکڑوں فرقے پائے جاتے ہیں اور کیسے فرقے؟ کہ ان کے معبودوں تک میں اتفاق نہیں اور تو گویا خدا پر ہیں اور متحد نہیں ہیں۔ قوموں کا جائزہ اس نقطہ نظر سے لیجئے۔ کتابوں میں پڑھیے یا گھوم پھر رو بیٹھے تو آپ مبہوت ہو کر رہ جائیں گے کہ مذہب کی بنیاد پر جہاں ایک ایک قوم اتنی ٹکڑیوں میں بٹی ہوئی ہے وہیں دو یا زیادہ سے زیادہ تین فرقوں میں مسلمانوں کے دینی اختلاف منحصر ہو کر رہ گئے ہیں۔

## مغالطہ کی وجہ

مغالطہ دراصل لوگوں کو ان کتابوں سے ہو جاتا ہے جو "ملی و نحل" کے عنوان پر مسلمانوں کے ہاں وقتاً فوقتاً لکھی جاتی رہی ہیں یعنی فرقوں اور طبقوں کے حالات جن میں بیان کئے گئے ہیں ان کتابوں میں یہ درست ہے کہ غیروں کے ساتھ ساتھ



مسلمانوں کے مذہبی فرقوں اور پارٹیوں کی بھی بڑی لمبی چوڑی طویل الذیل فہرست پائی جاتی ہے لیکن جو کچھ کتابوں میں لکھا ہوا ہے کاش اس کی زحمت بھی اسی کے ساتھ اٹھائی جاتی کہ اس مکتوبہ فہرست کو واقعات کی دنیا پر منطبق کر کے دیکھا جاتا کتابوں میں بیشک مسلمانوں کے ان نئے نئے بھانت بھانت فرقوں کا ذکر ضرور پایا جاتا ہے لیکن ان فرقوں کا اور ان کے طرح طرح کے ناموں کا وجود دنیا میں باقی رہا ہے، اس کی طرف لوگوں کی توجہ نہیں ہوئی ورنہ ان پر واضح ہوتا کہ کتابوں کے سوا اب ان کا کہیں پتہ نہیں ہے۔

## فرقہ بندیوں کی کثرت ابتداء اسلام میں کیوں ہوئی

واقعہ یہ ہے کہ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں پہلے تو سیاسی اختلافات نے کچھ مذہبی رنگ اختیار کر لیا تھا اور ان ہی سیاسی اختلافات کی بنیاد پر کچھ پارٹیاں مسلمانوں میں پیدا ہو گئی تھیں جو واقع میں تو تھیں سیاسی پارٹیاں لیکن اس زمانہ کے خاص مذاق اور ماحول نے ان سیاسی پارٹیوں کو مذہبی فرقوں کے قالب میں ڈھال دیا تھا۔ "سیاست ہی اسلام کی روح ہے"

### فتنہ کی ابتداء اسی مسئلہ سے ہوئی

ان سیاسی اختلافات کی ابتداء سچ پوچھیے تو اس مسئلہ سے ہوئی یعنی ایک طرف مسلمانوں میں ایک گروہ ان لوگوں کا پیدا ہو گیا جن کے نزدیک اسلام کا سب سے زیادہ اہم سب سے زیادہ اقدم "شہر" سیاست "تھا شہرستانی

کے الفاظ میں ان کا خیال تھا کہ

ماکان فی الدین والاسلام

امراہم من تعین الامام

حتى نکون مفارقتہ الدنیا

علی فراع من امر الامت

(ص ۱۵۹ ج ۱)

دین اور اسلام میں اس سے زیادہ اہم کوئی چیز نہیں

ہے کہ امام یعنی مسلمانوں پر حکمرانی کی باگ جس کے سپرد

ہو، اسی کو متعین کر دیا جائے تاکہ دنیا سے جاتے ہوئے

امت کے متعلق پیغمبر کے دل میں کسی قسم کی تشویش

باقی نہ رہے اور اطمینان کے ساتھ دنیا کو چھوڑ دیں۔

سیاست کی اسی غیر معمولی اہمیت کے احساس نے ان میں بعضوں کے اندر یہ

خیال بھی پیدا کر دیا تھا جیسا کہ شہرستانی ہی نے لکھا ہے کہ

الذین امران معرفة الامام

واداء الامانت۔

امام (جو حکومت کی تنظیم کرے) اس کا پالینا اور امانت کا

اداکرنا بس ان ہی دونوں چیزوں کا نام دین ہے۔

مطلب گویا ان کا یہ تھا کہ حکومت کی تنظیم اور باشندوں میں اس احساس کا

پیدا کر دینا کہ باہم ان میں ہر ایک دوسرے کا امین ہے یوں دھوکہ فریب وغیرہ کے

عیوب سے ملک جب پاک ہو جائے تو مذہب کا مقصد پورا ہو گیا، بغیر کسی پس و پیش

کے وہی کہا کرتے تھے، شہرستانی نے نقل کیا ہے کہ :-

”حکومت کی تنظیم اور احساس امانت کو بیدار کر لینے میں کامیاب ہو جانے

کے بعد پھر کسی قسم کا کوئی شرعی مطالبہ باقی نہیں رہتا۔ (ص ۱۵۹ ج ۱)

ان ہی میں بعض ایسے بھی تھے جو امانت والی قید کو بھی حذت کر دیتے تھے

اور مدعی تھے کہ

الذین معرفة الامام فقط دین صرف امام یعنی حکومت کی پیشی قوت سے مانگتے کا پالینا ہے۔

اسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں بعضوں نے یہ پھیلا نا بھی شروع کیا کہ

ان الدنيا لا تقنى  
دنیا کا موجودہ نظام کبھی فنا نہ ہوگا۔

اور کہتے تھے کہ مذاہب و ادیان جنت و دوزخ وغیرہ کے الفاظ اور اصطلاحیں

جو پائی جاتی ہیں ان کا مطلب بتول شہرستانی ان کے نزدیک یہ تھا کہ

الجنة هي التي تصيب الناس  
لوگوں کو دنیا میں جو بھلائیاں میسر آتی ہیں اور جو

من خير و نعمة و عافية و ان  
نعمتیں ملتی ہیں، سکھ اور راحت کی زندگی کے پالیتے

النار هي التي تصيب الناس  
میں کامیابی بس اسی کا نام جنت ہے اور برائیاں جہنم

من شر و مشقة و دليية ال دل شہرستانی <sup>۱۱</sup> مصائب جہنم دنیا میں لوگ جیتے ہیں بس یہی جہنم ہے۔

مقصود ان لوگوں کا یہی تھا کہ اچھی حکومت میں باشندوں کو امن و امان کی وجہ

سے جن راحتوں اور نعمتوں سے لذت اندوز ہونے کا موقع ملتا ہے مذاہب نے سکھ

کی اسی زندگی کا نام جنت رکھ دیا ہے اور حکومت کی بد انتظامی کی وجہ سے جن

مصائب و آلام بے چینی اور بد امنی کے شکار لوگ ہو جاتے ہیں اس کی تعبیر مذاہب

میں جہنم سے کی گئی ہے۔

قریب قریب یہ اسی قسم کی بات ہے جو اس زمانے میں بعضوں کی طرف سے

پھیلائی گئی ہے کہ فتوحات کی وجہ سے وجہ، فرات، نیل اور گنگا کی جن نہروں اور

دریاؤں پر مسلمانوں کا قبضہ و لایا جانے والا تھا اور بڑے زرخیز زر زمینیں و

طویل ممالک جو مسخر ہونے والے تھے، قرآن میں مسلمانوں سے ان ہی چیزوں کا وعدہ

کیا گیا تھا اس کی تعبیر جنت سے کی گئی تھی اور ان ہی چیزوں سے محروم ہو جانے کے

بعد جن حالات میں مسلمان مبتلا ہوئے تھے ان کو قرآن نے جہنم کے لفظ سے ادا کیا تھا۔

اور یہ تو گویا ان کے اعتدال پسندوں کا خیال تھا، لیکن حدوں سے تجاوز کرتے ہوئے اسی سلسلہ میں کچھ لوگ اسی طبقہ میں جوہ سیاست ہی کو اسلام کا سب کچھ قرار دیتے تھے اس حد تک ترقی کر کے پہنچ گئے تھے کہ حکومت کے قائم کرنے والی قوت سے مزاحمت کرنے والوں کو جہنم کے نام سے کہتے تھے کہ قرآن میں موسوم کیا گیا ہے، شہرستانی کے بجنسہ الفاظ ان کے اس خیال کے متعلق یہ ہیں کہ

ان الجنة رجل امرنا بموالاة  
 وهو امام الوقت وان الناس  
 من اجل امرنا معا دات و هو  
 خصم الامام - ص ۱۱۵ ج ۱

جنت اس شخصیت کی تعبیر ہے جس کی پشت پناہی  
 کا ہمیں حکم دیا گیا ہے یعنی وقت کا امام (حکمران) اور  
 اسی حکمران کے دشمن کا نام دوزخ ہے جس کی مخالفت کا  
 ہمیں حکم دیا گیا ہے۔

## نماز روزہ والا اسلام عامیاناہ و حرم ہے

ان کے نزدیک نماز روزہ والا اسلام ایک عامیاناہ و حرم سے زیادہ اولہ کچھ نہیں تھا انی بنیاد پر بقول شہرستانی ان میں کہنے والے کبھی کبھی یہ بھی کہتے کہ:

«فرائض» (مثلاً نماز روزہ حج و زکوٰۃ) وغیرہ سے مطلب یہ ہے کہ ان قوتوں کے آگے بڑھنے میں ہم اپنی توانائیوں کو خرچ کر رہے ہیں جن کی پشت پناہی حکومت کے صحیح نمائندے یعنی امام کے لئے ضروری ہے اور محرمات یعنی جو باتیں مذہب میں حرام اور ناجائز ہیں ان سے مقصد یہ ہے کہ اس راہ میں جن کی مخالفت ضروری ہے ان سے ہم کنارہ کش رہیں۔ (ص ۱۱۵ ج ۱)

حالانکہ عموماً اس گروہ کی اکثر ٹولیوں کا خیال تھا کہ اپنے بعد پیغمبر نے اسلامی حکومت کے نظام کو قائم رکھنے کے لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو نامزد کر دیا تھا لیکن سیاست ہی دین کی اصلی روح ہے اسی خیال نے بعضوں میں اس قسم کے رجحانات بھی پیدا کر دیے تھے۔ جیسا کہ شہرستانی نے لکھا ہے کہ :-

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابیوں پر کفر کا الزام لگاتے تھے حتیٰ کہ حضرت علی کو بھی نہیں بخشے تھے۔“

حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر ان کا یہ اعتراض تھا کہ :-

”اپنے جائز حق کے مطالبہ میں انہوں نے غفلت سے کام لیا حالانکہ

ان پر واجب تھا کہ کھل کر میدان میں آجاتے اور جو کام ان کے سپرد کیا گیا تھا، اس کی باگ اپنے ہاتھ میں لے لیتے۔“ اس ۳۱۱ھ شہرستانی

ان ہی لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے ابن حزم نے لکھا ہے کہ گورقہ کے بانی

کا خیال حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق بھی تھا لیکن بعد کو :-

”اس گروہ کے عام افراد کا مسلک یہ ہو گیا تھا کہ عثمان کے قتل ہو

جانے کے بعد علی مرتد ہونے کے بعد پھر مسلمان ہو گئے تھے یعنی

جب کھل کر وہ میدان میں آگئے اور تلوار ہاتھ میں سونت لی۔“

واللہ اعلم بالصواب اسی موقع پر ابن حزم نے اسی گروہ کے بعض افراد کی

طرف (العیاذ باللہ) لہجہ پکے یا دل و دوزیہ خبیث نظر یہ بھی منسوب کیا ہے کہ :-

الذنب فی ذلک الی النبی صلی اللہ

علیہ وسلم اذ لہر بین الامرین

فسور (سیاست) کے اس باب میں خود پیغمبر صلی اللہ

علیہ وسلم کا تھا کہ مسئلہ کو انہوں نے اس طریق سے کھول

لاشکال۔ ص ۱۲۰ ج ۳ ابن حزم کہ بیان نہیں کیا جس سے دشواریاں حل ہو جائیں۔  
 گویا ان کا خیال تھا کہ عرب کے باشندوں نے جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ  
 سے اپنے باپ دادوں کے دین کو چھوڑ دیا تھا، اپنی جان اپنا مال سب آپ پر  
 قربان کر رہے تھے تو کوئی وجہ نہ تھی اگر اپنے بعد مسلمانوں کی یہی اسی تنظیم کے  
 متعلق دو ٹوک فیصلہ کی صورت میں جو کچھ حکم دے دیتے لوگ اس سے سرتابی کرتے  
 لیکن گو نگاہیں قصے کو رکھ کر بے ایمانوں کا یہ گروہ کہتا تھا کہ خود پیغمبر ہی کی  
 طرف سے رالعیاذ باللہ کوتاہی ہوئی۔ بہر حال "سکومت ہی سب کچھ ہے" اور  
 اس کے سوا جو کچھ ہے سب کی حیثیت صرف وسائل اور ذرائع کی ہے، اسی نقطہ  
 نظر کی بنیاد پر ان میں بطور فیصلہ کے یہ مانا جاتا تھا کہ جس وقت جس قسم کی بات  
 سے کام نکلنے کی توقع ہو اس کو ترک نہ کرنا چاہیے۔ شہرستانی نے لکھا ہے کہ بڑے  
 بڑے توقعات اپنے ماننے والوں کو دلاتے اور باور کراتے کہ ہمیں اس قسم کے فتوحات  
 کی بشارتیں ملی ہیں، لیکن جب ان کا ظہور نہ ہوتا تو کہہ دیا کرتے کہ :-  
 "خدا نے اپنا فیصلہ بدل دیا"

یا کہتے کہ :-

"اب خدا کی مصلحت بدل گئی"

یا اس کا ارادہ بدل گیا"

اسی نظریہ کی تعبیر وہ "مسئلہ بدر" سے کرتے تھے، ان کے نزدیک یہی

فوائد حاصل کرنے کے لئے ہر قسم کی غلط بیانی مذہباً و دیناً جائز بلکہ مشاہدہ واجب  
 اور ضروری ہے "تقیہ" اسی نظریہ کی اجمالی تعبیر ہے۔

یہ ایک اجمالی عنوان تھا جس کے نیچے وہ ساری باتیں درج تھیں۔ جن پر آج کل عموماً یورپ کی سیاست کی بنیاد قائم ہے گویا یورپ کی سیاسی دلچسپیوں نے تو صرف ایک میکاؤلی کو پیدا کیا تھا، لیکن مسلمانوں میں "میکاؤلی" سے پہلے بہت پہلے "میکاؤلیوں" کا ایک گروہ ہی پیدا ہو گیا تھا اور اپنے خیال کی توثیق و تصدیق میں وہ قرآنی آیات پیش کیا کرتا تھا، اور ٹھیک ان ہی لوگوں کے مقابلہ میں جن کے نزدیک سیاست کے سوا اسلام گویا اور کچھ نہ تھا ان ہی کے نوڑ پر مسلمانوں ہی میں دوسرے طبقہ بھی نکل پڑا تھا۔ جن کا خیال تھا۔

لا یجب لعنہ اللہ ام  
امام (ناظم حکومت) کے قائم کرنے کی سرے  
اصلا۔  
سے کوئی ضرورت ہی نہیں ہے۔

## دوسرا فرقہ جو سرے سے حکومت کی ضرورت کا منکر تھا

میر سید شریف جرجانی نے اس طبقہ کے اسی سیاسی نظریہ کا تذکرہ کر کے شرح موائف میں یہ بھی نقل کیا ہے کہ اپنے خیال کی تائید میں منجملہ اور باتوں کے وہ کہا کرتے تھے کہ :-

"کیا حق ہے کہ اپنے ہی جیسے آدمی کو آدمی پر حتمراں بنا دیا جائے اور خواہ سمجھ میں آئے یا نہ آئے . . . ہم کیوں مجبور کئے جائیں کہ دوسرے کے حکم کو مانیں!"

اپنی تائید میں وہ یہ بھی کہتے تھے کہ ہر  
 "حکومت جب بھی قائم ہوگی بعضوں کے اعتراض کے مطابق  
 نہ ہوگی، خواہ مخواہ یہی لوگ مخالفت پر اٹھ کھڑے ہوں گے  
 پھر بھڑکے چھپتے ہیں ہاتھ ڈالنے کی ضرورت ہی کیا ہے"  
 وہ اس مشاہدے کو بھی پیش کرتے تھے کہ ہر

بادیہ یعنی صحرائی علاقوں کے باشندے کسی قسم کی حکومت کی  
 تنظیم کے بغیر تاریخ کے نامعلوم زمانے سے زندگی بسر کرتے چلے  
 آ رہے ہیں اور اپنے مصالحو و اعتراض کے مطابق ایک دوسرے  
 کے ساتھ کچھ اس قسم کا تعلق رکھتے ہیں کہ کوئی کسی پر زیادتی  
 کی ضرورت ہی نہیں سمجھتا۔"

شرح موافق مرصد رابع ص ۶۴ مطبوعہ قسطنطنیہ الجرجانی ہی نے لکھا  
 ہے کہ ان ہی میں بعض کا سیاسی نظریہ یہ تھا کہ "امن کے زمانہ میں حکومت  
 کی ضرورت نہیں، البتہ ناک میں جب فساد و فتنہ پھوٹ پڑے تو اس کو  
 دبانے کے لئے وقتی طور پر کسی قسم کی حکومت قائم کر لینا چاہیے۔ مقابلہ میں  
 دوسرا گروہ کہتا تھا کہ نہیں امن ہی کے زمانہ میں تو حکومت کی ضرورت ہے  
 کہ اس وقت لوگ اپنی زندگی بسر کرنے پر آمادہ ہوتے ہیں۔ لیکن فتنہ و  
 فساد میں تو ہر ایک اپنے خیال میں مست ہو جاتا ہے اس وقت حکومت  
 قائم کرنے سے بجز نقصان کے اور کسی فائدہ کی توقع نہ کرنی چاہیے۔  
 بہر حال افراط و تفریط کے ان دونوں سیاسی نظریوں کے درمیان



تیسرا نظریہ قائم کیا گیا۔ شہرستانی نے لکھا ہے۔

”حکومت کی ضرورت حق تعالیٰ کی معرفت اور توحید کے لئے

ضروری نہیں ہے۔“

اور انصاف پسندوں نے یہ طے کر دیا تھا جیسا کہ علامہ تفتازانی نے شرح

مقاصد میں لکھا ہے کہ :-

”قیام حکومت کی نوعیت مسلمانوں کے ان فرائض کی ہے جن

کو فرض کفایہ کہتے ہیں، یعنی ہر مسلمان سے انفرادی مطالبہ

اس کا نہیں کیا گیا ہے۔ بلکہ اجتماعی طور پر چاہیے کہ اس کام

کو وہ پورا کریں۔“ (شرح مقاصد ص ۲۷۱)

علامہ تفتازانی نے اسی سلسلہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ :-

”قیام حکومت چونکہ ایک عملی کاروبار ہے اس لئے عقائد

سے اس مسئلہ کا تعلق نہیں ہے بلکہ فقہی احکام کے ذیل میں

اس کو شمار کرنا چاہیے۔“

بہر حال اتنی بات تسلیم کر لی گئی کہ :-

”حدود اور سزاؤں کے لئے یا حقوق کے جھگڑوں کو چکانے

کے لئے اور یتیموں اور بیواؤں کی نگرانی کے لئے اللہ کے کلمہ

کو بلند رکھنے کے لئے حکومت کی ضرورت ہے۔“

خلاصہ یہ ہے کہ :-

مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کی تنظیم کیلئے

یکون للمسلمین جماعتاً

ولا يكون الامبر فوضي  
بين العامة -  
حکومت کا قائم ہونا ناگزیر ہے۔ تاکہ عوام میں  
منتشر اور غیر منظم ہو کر مسلمانوں کی زندگی  
نہرہ جائے۔

۱۹۵۰ شہرستانی ج ۲

یہ اور اسی قسم کے خیالات کو پیش کر کے چاہا گیا کہ سیاست کے  
مسئلہ میں غلو سے مسلمانوں کے جو طبقات کام لے رہے ہیں۔ ان کو اعتدال کے  
نقطہ تک کھینچ کر لایا جائے اور مسلمانوں کی اکثریت نے اسی خیال کو تسلیم بھی  
کر لیا۔ لیکن "سیاست" ہی اسلام کا سب کچھ ہے۔ اس پر اصرار کرنے والوں  
کا اصرار بہر حال باقی ہی رہا۔ ان لوگوں کی سمجھ ہی میں نہیں آسکتا تھا کہ اسلام  
کا جو سب کچھ تھا "اسی کو غیر متصل حال پر چھوڑ کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم  
دنیا سے کیسے تشریف لے جاسکتے تھے اور خواہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
نے کوئی قطعی فیصلہ جیسا کہ ان لوگوں کا دل چاہتا تھا، کیا یا نہ کیا۔ لیکن  
کسی طرح یہ مشہور ہی کہ دیا گیا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے قطعی فیصلہ کر دیا  
تھا۔ شہرستانی نے نقل کیا ہے کہ وہ کہتے تھے۔

"ہو نہیں سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوں ہی مسلمانوں  
کو شتر بے مہار بے سروں کی فوج کی حالت میں چھوڑ کر  
دنیا سے تشریف لے جاتے اور ہر مسلمان کے لئے موقع اس  
کا چھوڑ دیتے کہ جس کے جی میں آئے وہ اس مسئلہ میں  
رہے قائم کرے اور ہر ایک اپنی راہ پر چلا جائے۔"  
ان کا بیان تھا کہ۔

” اختلافات اور جھگڑوں کے مٹانے ہی کے لئے تو پیغمبر آئے تھے۔ ان کی بعثت کی غرض ہی یہ تھی کہ پھر سے لوگوں کو وحدت کے رشتہ میں منسلک کر دیں۔“

اسی لئے یہ ہو نہیں سکتا کہ اسلام کی اسی ”جوہری روح“ کو ابہام و تذبذب کے حال میں چھوڑ کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لیجاتے۔

## حکمرانی کے استحقاق کے متعلق مختلف نظریات

مگر جب یہ سوال اٹھا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فیصلہ کیا تھا تو جواب میں اختلافات کا طوفان برپا ہو گیا، ایک گروہ کہتا تھا کہ شخصی نامزدگی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہو گئی تھی یعنی مسلمانوں کی حکمرانی کی باگ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہی صاحب اپنے ہاتھ میں لیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فیصلہ کر کے تشریف لے گئے۔ دوسرا گروہ مدعی ہوا کہ ”شخص“ تو نہیں البتہ ”قبیلہ“ کو آپ نے متعین کر دیا تھا کہ میرے بعد عرب کے فلاں قبیلہ والے سیاسی قیادت کا فرض مسلمانوں میں انجام دیں۔

کون سا قبیلہ؟ اس میں قریش، ہاشمی خاندان، عباسی خاندان، علوی خاندان سب ہی کے نام پیش ہوتے رہے۔

اسی سلسلہ میں بعضوں کا خیال تھا کہ صرف عبدالمطلب کی اولاد مسلمانوں پر حکومت کرنے کا حق رکھتی ہے، ابن جزم نے لکھا ہے کہ عبدالمطلب کی ساری اولاد کو حکومت کا وہی حق ان لوگوں کے نزدیک حاصل تھا حتیٰ

کہ ابوطالب اور عباس کے ساتھ کہتے تھے کہ ابو لہب تک کی اولاد بھی اس حق کی جائز وارث اور مساوی طور پر اس کی حصہ دار ہے۔  
اور اس سے بھی زیادہ دلچسپ سیاسی نظریہ ان کا تھا۔ جنہوں نے دلائل سے ثابت کیا تھا کہ :-

لاتجوز الخلاقۃ الا فی بنی امیہ خلافت یعنی حکمرانی کا استحقاق امیہ بن عبد شمس کی اولاد بن عبد شمس <sup>۵۵</sup> ابن حزم کے سوا اور کسی کے لئے جائز ہی نہیں ہے۔

ابن حزم ہی نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ :-  
”میری نظر سے ایک ایسی کتاب بھی گزری ہے جس کے مصنف عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے خاندان کے کوئی صاحب ہیں۔ اس میں انہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ ابو بکر و عمر کی اولاد کے سوا حکمرانی کا استحقاق مسلمانوں میں کسی کو شرعاً حاصل نہیں۔“

## حیات جاوید کا نظریہ

باقی جو کہتے تھے کہ قبیلہ نہیں بلکہ خاص شخص کو اپنے بعد مسلمانوں پر

لے ابو لہب جیسا کہ معلوم ہے کفر ہی کی حالت میں مرا، لیکن اس کی اولاد مسلمان ہو گئی تھی۔ بنی امیہ کے عہد میں یزید بن عبد الملک اموی حکمران کے حکم سے ابو لہب کے خاندان کا ایک آدمی مکہ معظمہ سے دارالسلطنت دمشق بلایا گیا تھا، انجاسی والی مشہور نظم صفحہ من ہی اذہل ابو کو خاص طریقہ سے بھاؤ بتا بنا کر ادا کیا کرتا تھا۔ یزید اس کے طرز ادا سے بہت محظوظ ہوا۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ ابو لہب ہی اس طریقہ ادا کا بانی تھا اور نسل بعد نسل گانے کی یہ خصوصیت اسکے خاندان میں منتقل رہی۔ د روح المذہب ذکر یزید بن عبد الملک

حکمران بننے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تے نامزد کر دیا تھا۔ مراد ان کی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ذات مبارک سے تھی ان لوگوں کا خیال تھا کہ علی کی حکومت قائم ہونے کے ساتھ ہی دنیا ہر قسم کی برائیوں سے پاک ہو جائے گی۔ اور انصاف و عدل سے بھر جائے گی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حکومت قائم بھی ہوئی اور جیسا کہ معلوم ہے آپ کا سارا عہد خلافت مناسد اور فتن ہی کے دبانے میں گذر گیا اور آپ کے بعد جو کچھ ہوا وہ ان لوگوں کے منشا کے مطابق نہ تھا اس لئے ایک گروہ ان میں کھڑا ہو گیا جس نے سرے سے حضرت والا کی شہادت اور وفات ہی کا انکار کر دیا۔ ابن حزم نے لکھا ہے کہ اسی گروہ کا رئیس ابن سبا کہا کرتا تھا کہ :-

”سترو فہ بھی علی کا بھیجا یعنی دماغ میرے سامنے لایا جائے جب بھی میں ان کی موت کی تصدیق نہیں کر سکتا۔ وہ وفات ہی نہیں پاسکتے جینک کہ دنیا کو عدل انصاف سے اسی طرح بھر نہ دیں۔ جیسے وہ جور اور ظلم سے بھر گئی ہے۔“ چہ<sup>۱۳۸</sup> ابن حزم ان ہی لوگوں کا خیال تھا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ”بادل میں رہتے ہیں“

اور بادل ہی سے آواز دیں گے کہ فلاں میرے نائب ہے کا لوگ ساتھ دیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زندہ رہنے کا نظریہ جناب ایک دفعہ گھڑ لیا گیا تو پھر نہ پوچھئے کہ کیا کیا ہوا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد میں جن کی طرف بھی امامت منسوب

کی گئی لیکن واقعی دنیا کی حکومت ان کو حاصل نہ ہو سکی تو ایسی صورت میں ان میں سے ہر ایک کے متعلق اسی دعویٰ کا اعلان کیا گیا۔

حی احریمت ولا یموت حتی وہ زندہ ہیں اور جب تک دنیا کو انصاف و عدل سے نچرے فیملاء الارض عدلاً کما اسی طرح نہ بھر دیں گے جیسے وہ ظلم سے بھر گئی ہے۔  
ملکت جو مرا۔ اس وقت تک وہ مر بھی نہیں سکتے۔

ابن حزم نے اس سلسلہ میں نام گنواتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت علی کریم اللہ وجہہ کے صاحبزادے محمد بن الحنفیہ کے نام سے جو مشہور ہیں اور مشہور سیاسی لیڈر مختار ثقفی آپ ہی کے اسم مبارک سے ناجائز نفع اٹھانے کی کوشش کرتا رہا، ان کے ماننے والوں کا خیال تھا کہ :-

”محمد بن حنفیہ رضوی نامی پہاڑ میں چھپے ہوئے ہیں ان کے واہنے جانب شیر اور بائیں پہلو میں ہمیشہ ایک چیتا آپ کی حفاظت کرتا رہتا ہے۔ فرشتے آپ سے باتیں کرتے ہیں اور صبح و شام غیب سے آپ کے سامنے آسمانی خوان نازل ہوتا رہتا ہے اور دو چشمے ایک پانی کا اور ایک شہد کا اسی پہاڑ میں آپ کے لئے اُبلتا ہے۔ شہرستانی ص ۱۵۵

اسی طرح حسنی سادات میں سے محمد جو نفس زکیہ کے نام سے مشہور ہیں ان کو بھی معتقدوں کا ایک گروہ زندہ جاوید سمجھتا ہے۔ حالانکہ عباسی خلیفہ منصور کے زمانہ میں وہ مدینہ میں شہید ہو چکے تھے۔ اسی فہرست میں یحییٰ بن عمر جو حسین علیہ السلام کی اولاد میں تھے اور اسی گھرانے کے ایک بزرگ محمد بن قاسم جنہوں

نئے معتزم عباسی کے عہد میں طالقان کو مرکز بنا کر خروج کیا تھا اور بارہ مشہور  
 اماموں میں حضرت موسیٰ کاظم امام جعفر صادق ان کے صاحبزادے اسماعیل بن جعفر  
 سب ہی کے متعلق ابن حزم نے لکھا ہے کہ ماننے والوں کا یہی خیال ہے کہ وہ  
 زندہ ہیں اور جب تک دنیا کو عدل و انصاف سے نہ بھریں گے۔ زندہ رہیں گے۔  
 الغرض شخصی نامزدگی کے سیاسی اصول کو مان کر مختلف بزرگوں، کو  
 مختلف زمانوں میں لوگ حکمرانی کے لئے جو اٹھاتے رہے اور جو امیدیں باندھنے  
 والوں نے ان کی ذات کے ساتھ خواہ مخواہ باندھ رکھی تھیں۔ جب وہ پوری  
 نہ ہوئیں تو "حیات جاوید" یا امر مہونے کا نظریہ انہوں نے پیدا کر لیا، اسی  
 شخصی نامزدگی ہی کی پیداواروں میں سے غالباً ایک خیال وہ بھی ہے جس کا  
 ذکر ابن حزم نے تفصیل سے کیا ہے یعنی بارہ اماموں کے نظریہ والوں کے نزدیک  
 ایک شخص سے دوسرے شخص تک حکومت کا استحقاق منتقل ہوتے ہوئے جب  
 حضرت حسن عسکری گیارھویں امام تک نوبت پہنچی تو جیسا کہ ابن حزم اور دوسرے  
 مورخین کا بیان ہے کہ بظاہر آپ کے بعد کوئی اولاد آپ کی دنیا میں باقی  
 نہ تھی لیکن آپ کے ماننے والوں میں سے :-

۱۔ عجیب بات ہے کہ حسین سادات ہی کے ایک ہندی خانوادہ میں سے حضرت سید احمد شہید  
 بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے سکھوں کے مقابلہ میں جہادی مہم پنجاب میں جو انجام دی اور بعض سرخیز  
 پٹھانوں کی بے وفائی آپ کی شہادت کی وجہ ہوئی آپ کے متعلق بھی آپ کے عقیدتمندوں  
 میں سے بعضوں کا زمانہ تک یہی خیال رہا کہ وہ زندہ ہیں اور واپس آکر پھر اپنی مہم کی تکمیل  
 فرمائیں گے۔ ۱۲

”بعضوں نے تو مشہور کیا کہ ایک بیٹا آپ کا پیدا ہوا جسے دشمنوں کے خوف سے آپ نے چھپا دیا۔ اور بعض مدعی ہوئے کہ آپ کی شرعی کنیز حاملہ تھی اور وفات کے بعد وہ لڑکا جنی“  
ابن حزم نے لکھا ہے کہ :-

”اس لوٹڈی کے نام میں ہی لوگوں کا اختلاف ہے کوئی کہتا ہے کہ اس کا نام نر جس (نرگس) تھا اور کسی کا دعویٰ ہے کہ سوسن نام تھا عام خیال ہے کہ صیقل اس کا نام تھا“  
ابن حزم ہی کا بیان ہے کہ :-

”اسی صیقل نامی کنیز نے آپ کی وفات کے بعد استقرار حمل کے دعوے کا اعلان کیا اور مقارمہ حکومت میں سات سال تک میراث کا چلتا رہا۔ امام حسن عسکری کے بھائی جن کا نام جعفر بن علی تھا، وہ اس کنیز کے دعویٰ کے مقابلہ میں اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ حکومت کے لوگوں میں کچھ لوگ جعفر کے ہمنا اور ہمدرد تھے اور کچھ لوگ صیقل کی سرپرستی کر رہے تھے۔ لیکن آخر میں فیصلہ جعفر ہی کے دعویٰ کے مطابق ہوا۔“  
ابن حزم نے اس سلسلہ میں بعض دلچسپ باتوں کا ذکر کیا ہے۔

لے بیان کیا ہے کہ حسن عسکری کے ان صاحبزادے کے متعلق بعضوں کا خیال تھا کہ والد کی زندگی ہی میں پیدا ہوئے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کی وفات کے بہت زمانے کے بعد ولادت ہوئی اور اسی خاتون کی ایک خاتون جن کا نام حکیمہ تھا اور محمد بن علی رضا بن موسیٰ کاظم کی جو بیٹی تھیں ان ہی (باقی صفحہ ۲۵ پر)



بہر حال شخصی نامزدگی کے نظریہ والوں میں جیسا کہ آپ سن چکے ہیں۔ تقریباً ہر اس شخص کے متعلق جن کے نام زد ہونے کا دعویٰ کیا گیا۔ ان کی وفات کے بعد بھی لوگ ان کو زندہ ہی تصور کرتے رہے۔ لیکن اوروں کے متعلق تو بہ تدریج یہ خیال مضمحل ہوتے ہوئے تقریباً کچھ فراموش

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴

کا بیان تھا کہ یہ بچہ میرے سامنے پیدا ہوا، قابضہ کا کام میں نے ہی انجام دیا تھا۔ بیان کرتی تھیں کہ یہ پیٹ سے نکل کر بچہ جوں ہی میرے ہاتھ میں آیا تو دیکھا کہ قرآن کی تلاوت کر رہا ہے۔ ۱۳۰ھ ج ۳۔ دوسری جگہ اسی کتاب میں ابن حزم نے لکھا ہے کہ سیدنا حسن عسکری کی شریعی کنیز جس کا نام زکس یا صیقل یا سوس بتایا جاتا ہے بیس سال تک امام حسن عسکری کی وفات کے بعد عباسی حکومت کے ایک منشی حسن بن جعفر نوبختی نو مسلم کے مکان میں یہی عورت رہی عباسی خلیفہ معتقد سے لوگوں نے شکایت کی کہ یہ بڑے شرم کی بات ہے آخر بیس سال کے بعد معتقد کے حکم سے یہی عورت قصر خلافت میں بلالی گئی اور وفات تک اسی شاہی قصر میں رہی وفات اس کی مقتدرہ باللہ کے زمانہ میں ہوئی۔ ابن حزم نے لکھا ہے ۲۶ھ میں امام حسن عسکری کی وفات ہوئی اس وقت سے ان کے صاحبزادے کے خروج کا انتظار بارہ اماموں کے مانتے والے کر رہے ہیں۔ ان ہی کو "المہدی المنتظر" کہتے ہیں گویا ایک ہزار سال سے زیادہ مدت انتظار ہی میں گذر رہی ہے۔ خود اپنا خیال ابن حزم کا یہ ہے کہ سعد یعقب الحسن المذکور لا ذکر اولاد منشی ص ۱۳۸ ج ۳۔ یعنی امام حسن عسکری نے اپنے بعد نہ کوئی لڑکا چھوڑا اور نہ لڑکی اور ان کے بعد شریعی کنیز کے اس بچہ کا قبضہ یوں ہی گھڑ لیا گیا تھا۔ حکومت کا قبضہ بھی یہی تھا اس لئے وراثت حسن عسکری کے چچا جعفر بن علی کو دلائی گئی۔ ۱۲

ہی سا ہو گیا، صرف ان ہی بارہویں امام "المہدی المنتظر" کے متعلق امامیہ فرقہ اب تک ختم و مرجع کے انتظار میں ہے، ہزار سال سے زیادہ مدت گزر چکی ہے لیکن انتظار کی گھڑیاں ختم نہیں ہو رہی ہیں۔ ان لوگوں کی طرف سے عذر یہ پیش کیا جاتا ہے کہ جب مسلمانوں میں عام طور پر خضر اور ایسا نامی بزرگوں کو مانا جاتا ہے کہ ہزار ہا ہزار سال سے زندہ ہیں تو ان ہی کے ساتھ ایک اور ہستی کا اضافہ اگر ہو گیا تو لوگوں کو اعتراض کرنے کی وجہ کیا ہو سکتی ہے ابن حزم نے ان کے اس عذر پر بحث کی ہے، جس کیلئے اصل کتاب کو پڑھنا چاہیے۔

باقی شخصی نامزدگی کے اصول کے جو قائل نہ تھے اور حکومت کے لئے حکمران کے انتخاب کا حق ان کے نزدیک عام مسلمانوں کا حق ہے ان میں بھی اس سوال پر کہ کیا یہ حق ہر مسلمان کا ہے یعنی جب تک زندہ مسلمانوں میں سے ہر ایک کی رائے کا علم نہ حاصل ہو اس وقت تک انتخاب جائز نہیں ہو سکتا، یا مسلمانوں کے کسی خاص طبقہ کے انتخاب سے انتخاب صحیح ہو جاتا ہے۔ ابن حزم نے لکھا ہے کہ بعض لوگوں نے ہر مسلمانوں کا اپنی حق اس کو قرار دیا ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ بیان کیا ہے کہ ہر مسلمانوں کو بڑی بات ہے تمام دنیا کے مسلمانوں کے ارباب علم و فضل کی رائے کا دریافت کرنا بھی آسان نہیں ہے۔ ابن حزم کا بیان ہے کہ ذرا سوچنے کی بات ہے کہ :-

"ماتان اور منصورہ یعنی (سندھ) سے مہرہ (حضرت موت)

اور عدن تک کے اہل علم و فضل سے شروع کر کے مغربی افریقہ کے دور دست علاقوں جن میں طنجہ اشیونہ تمام سمندری جزیروں اور شام دارینہ جبال قبیح اور اسپجباب (پہلی ترکستان) فرغانہ اشروسنہ الغرض خراسان کے آخری مدوہ جو زجان سے لے کر کابل تک درمیان میں جتنے شہر جتنے قصبے اور دیہات ہیں، کیا ان سب کے متعلق رائے دریافت کرنے کی اس مہم میں کامیابی ہو سکتی ہے۔

(ص ۱۲۹ ج ۳)

ابن حزم کے زمانہ یعنی پانچویں صدی ہجری میں اسلامی خلافت کا جغرافیہ یہی تھا۔

بہر حال اسی لئے بعض لوگوں نے دارالحکومت کے ارباب عل و عقد تک انتخاب کے اس حق کو محدود رکھا ہے اس کے سوا بھی بہت سے نظریے پیش کئے گئے لیکن جب تک سیاسی اقتدار کے مالک مسلمانوں میں عرب رہے عربی قبائل ہی تک حمرانی کے مسئلہ کو انہوں نے محدود رکھا اور اکثریت کا رجحان یہی رہا کہ جب تک ممکن ہو، قریش کے عربی قبیلہ ہی سے امام کا انتخاب کرنا چاہیے، علامہ تفتازانی نے شرح مقاصد میں لکھا ہے کہ علاوہ ان آثار و احادیث کے جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ قریش ہی کو ترجیح دینے کا حکم دیا گیا تھا، یوں بھی یہ سوچنے کی بات ہے کہ "نسب اور خاندانی شرافت کے متعلق عموماً دیکھا جاتا ہے"

کہ دلوں میں خاص قسم کی غیر معمولی عظمت پائی جاتی ہے۔ اور مختلف خیالات اور پراگندہ افکار کو ایک نقطہ پر جمع کرنے کے لئے عام طور پر نسبی شرافت موثر ذریعہ ثابت ہوئی ہے۔“

علامہ نے آگے بیان کیا ہے کہ :-

”قوموں کی تاریخ بھی بتاتی ہے کہ حکومت اور سیاسی اقتدار عموماً کسی خاص خانوادے میں منتقل ہوتا چلا آیا ہے اسی لئے ایک خاندان سے منتقل ہو کر حکومت کسی دوسرے خاندان والوں کے ہاتھوں میں جب چلی جاتی ہے تو تاریخ کا ایک اسے غیر معمولی حادثہ اور واقعہ قرار دیا جاتا ہے۔“

اپنے تمہیدی بیان کے بعد انہوں نے لکھا ہے کہ :-

”نظر بوجوہ بالا قریش کو دیکھا جائے تو مسلمانوں میں ہمیشہ عزت و وقار کے مالک وہی لوگ رہے ہیں۔ رسالت بھی اسی قبیلہ پر ختم ہوئی اور قیامت تک باقی رہنے والا دین دنیا والوں کو قریش ہی کے ذریعہ ملا۔“

اور یوں قریش ہی کو حکمرانی کا جائز حقدار شرعاً و عقلاً لوگ سمجھتے رہے

لیکن جوں جوں عربوں کی سیاسی قوت اضمحلال کی شکار ہوتی چلی گئی اور غیر عربی نسلوں کے ہاتھوں میں اقتدار منتقل ہونے لگا تو ان کی طرف سے یہ کوشش ہونے لگی کہ قریش کی اس ٹھیکیداری کو ختم کیا جائے۔ اس حد

اس  
لیکھ  
عند  
استیلا  
رسلطو  
عادت  
تغلبیہ

تک تو مان بھی لیا گیا تھا جیسا کہ تفتازانی نے لکھا ہے کہ :-  
 ”قریشی حکمران اگر دیکھا جا رہا ہو کہ وہ فاسق و جبار ہے اور  
 مجتہد ہونا تو درکنار دینی مسائل سے بھی جاہل اور ناواقف ہے  
 تو ایسی صورت میں“

بغیر کسی اختلاف کے یہ مان لیا گیا ہے کہ :-

فلا كلام في جواز تقليد  
 القضاء وتنفيذ الاحكام  
 واقامة الحدود وجميع  
 ما يتعلق بالامام من كل  
 ذي شوكة -

بغیر کسی اختلاف کے یہ مان لیا گیا ہے کہ  
 جو بھی صلیب شوکت و اقتدار ہو وہ مسلمانوں  
 کا قاضی بھی مقرر کر سکتا ہے۔ اور احکام کو  
 نافذ کر سکتا ہے اور حدود کو قائم کر سکتا ہے  
 الغرض وہ سارے اختیارات استعمال کر سکتا

ہے جو امام کے اختیارات سمجھے جاتے ہیں۔

۲۷۷ شرح مقاصد

علامہ نے اسی کے ساتھ اس کی بھی تصریح کر دی ہے کہ یہ ساری باتیں  
 اس وقت ہیں جب معاملہ کلیتاً مسلمانوں کی مرضی اور اقتدار کا تابع ہو،  
 لیکن :-

عند العجز والاضطرار و  
 استيلاء الظلمة والکفار والنجاة  
 وتسلط الجبابرة الاشرار فقد  
 صارت الرياسة الدنيوية  
 تغلبية ونبت عليها الاحكام

لیکن مجبوری اور ضعف کے زمانہ میں جب  
 ارباب ظلم اور کفار فجار اور زور زبردستی  
 کرنے والے برسر اقتدار آجائیں تو اس  
 وقت دنیوی حکومت تغابیہ حکومت بن  
 جاتی ہے یعنی جو غالب آجائے۔ اور دینی

الدینیۃ الموطۃ بالامام  
ضروریۃ۔  
احکام جن کے نفاذ کے لئے امام کی ضرورت  
سے وقت کے اسی نام کے ساتھ وابستہ ہو  
جائیں گے۔

شرح مقاصد

بہر حال عرب کے سیاسی اقتدار کے خاتمہ کے بعد مجبوراً مسلمانوں کو  
قریش کے متعلق اپنے سیاسی نظریہ میں ترمیم کرنی پڑی۔ شروع میں  
غیر عربی مسلمانوں کی طرف سے جب مطالبہ اقتدار کا پیش ہوا تو اس سلسلہ  
میں جہاں بہت سے دلائل شرعی و عقلی پیش ہوتے رہے ان میں سب سے  
زیادہ دلچسپ سیاسی نظریہ تھا، جس کی طرف شاید ہی اس وقت تک کسی  
کا ذہن منتقل ہوا ہوگا۔

## حکومت کے اقتدار

### کی مستحق ملک کی کمزور پارٹی ہے

مطلب یہ ہے کہ قریش اپنی وجاہت اپنی تاریخی عظمت اپنی شوکت  
و قوت کو اپنے استحقاق کے جواز کے سلسلے میں پیش کرتے تھے تو اس کے  
مقابلہ میں بعضوں نے یہ عجیب سیاسی نکتہ پیش کیا کہ جن لوگوں کو کسی وجہ  
سے عام لوگوں کی ہمدردیاں ان کے ساتھ ہیں یا تعداد کی وجہ سے وہ ملک  
میں قوی عنصر ہونے کی حیثیت رکھتے ہیں تو ان ہی کے ہاتھ میں حکومت  
کے اقتدار کو بھی سپرد کرنے کے یہ معنی ہوں گے کہ ملک کے کمزور عناصر اور  
بے پناہ باشندوں کے ساتھ ان کے جی میں جو کچھ آئے گا کریں گے۔ اور

حکومت جس کا اساسی مقصد ہی یہ ہے کہ ظلم و جور اور بے آئینی کا ازالہ کرے اس کے برعکس جور و ظلم کے بڑھانے میں ایسی حکومت مددگار بن جائے گی۔ اسی مقصد کو بنیاد بنا کر ان لوگوں کی طرف سے سیاسی نظریہ پیش کیا گیا تھا کہ عربوں کے مقابلہ میں غیر عربی مسلمان ہی اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ حکومت کی قوت ان ہی کے ہاتھ سپرد کر دی جائے تاکہ وہ کمزوروں اور ضعیفوں کی پشت پناہی کر سکیں۔ مسلمانوں کے ایک فرقہ ضرار یہ کا ذکر کرتے ہوئے ان کے سیاسی نظریہ کا ذکر ان الفاظ میں شہرستانی نے جو کیا ہے کہ :-

ان الامامة تصلح في	حکومت کا استحقاق غیر قریشیوں کو بھی ہے
غير قریش حتى اذا اجتمع	تا آنکہ اگر ایک قریشی اور ایک نبطی (غیر
قرشی ونبطی قد منا	عربی مسلمان) حکومت کے امیدوار بن کر کھڑے
النبطی اذ هو اقل عددًا	ہوں تو ہم نبطی (غیر عربی) ہی کو ترجیح دینگے
واضعف وسیلة۔	کیونکہ غیر عربی اقلیت میں ہیں اور ذرائع
ص ۵ ج ۱ شہرستانی	بھی ان کے کمزور ہیں۔

اسی سیاسی نظریے والے یہ بھی کہتے تھے کہ غلط کاری کی صورت میں اقلیت والوں سے چنے ہوئے اس حمران قوت کے ہٹانے میں بھی زیادہ دشواری پیش نہ آئے گی۔ اکثریت کے مقابلہ میں اقلیت ہی کے سپرد حکومت کا اقدار کیا جائے اس کی ایک بڑی مصلحت یہ بھی ہے شہرستانی نے ان کا یہ قول یعنی فیکننا خلعہ د پس ہمارے لئے اس اقلیت والے

حکمران کو ہٹانا ممکن ہوگا، جو نقل کیا ہے بظاہر اس کا یہی مطلب ہے، میں نہیں جانتا کہ "حکومت" کے سلسلہ میں اقلیت کی ترجیح کا نظریہ سیاست کی دنیا میں کبھی پیش ہوا ہو لیکن جو دلائل اور وجوہ ان کی طرف سے پیش کئے گئے ہیں۔ وہ مستحق توجہ معلوم ہوتے ہیں اور واقعی اگر اکثریت کے ساتھ حکومت کے فرائض میں "اقلیت" کی حفاظت بھی ہے تو یقیناً یہ سوچنے کی بات ہے اکثریت تو اپنی تعداد کی کثرت کی وجہ سے بذات خود طاقت ور ہوتی ہے لیکن غریب "اقلیت" کیا کرے آخر اس کی حفاظت کی کوئی صورت تو انسانی ضمیر کو نکالنی چاہیے۔

جمہوریت کے اس عہد میں بھی غریب "اقلیت" کے مصائب اور پریشانیوں کا کوئی حل نہیں نکل سکا ہے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ جمہوریت کے زمانہ میں "اقلیت" غریب کی مظلومیت اپنے آخری حدود کو پہنچ گئی ہے۔ اور حکومت کے اس گزرے ہوئے دور کو جس کا غلط نام شخصی حکومت رکھ دیا گیا ہے، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ تاریخ کے کسی دور میں کبھی کسی شخص واحد نے دنیا پر کبھی حکومت نہیں کی ہے۔ عموماً بادشاہوں نے دانشمند وزیروں اور دوسرے اعران و انصار ہی کی مدد سے حکومت کی ہے، بہر حال نام کچھ بھی رکھ دیا جائے لیکن جہاں تک تاریخ کی شہادت ہے بادشاہوں کے عہد میں بھی "اقلیت" کے حقوق اتنی لا پرواہیوں کے ساتھ کبھی نہیں کچلے گئے، جتنی بے دردی کے ساتھ آج جمہوری حکومتوں میں ان کو ٹھکرایا جا رہا ہے۔ اکثریت والے پہلے ہی سے طاقت و قوت والے ہوتے ہیں اور



حکومت کی باگ بھی جب ان ہی کے ہاتھ میں چلی جاتی ہے۔ تو جو کچھ وہ  
رتے ہیں اس کا نظارہ موجودہ عہد کی جمہوری حکومت میں ہر جگہ کیا جا  
سکتا ہے۔ خواہ وہ مسلمانوں کی جمہوری حکومت ہو یا غیر مسلم اقوام کی، اس  
ب میں سب کا حال برابر ہے۔ اور جمہوری حکومت کی بنیاد جس اصول پر  
الم ہے اس کا یہ لازمی نتیجہ ہے۔

خیر میں کس قصہ میں الجھ گیا عرض کر رہا تھا کہ مسلمانوں کی فرقہ بندیوں  
افسانہ جو سنایا جاتا ہے اگرچہ یہ افسانہ افسانہ ہو چکا ہے۔ لیکن سنانے  
لے اس کو کچھ اس طرح سنا رہے ہیں کہ ابھی یہ فرقے باقی ہیں۔

آپ دیکھ رہے ہیں کہ مسلمانوں میں اختلاف کی ابتداء سیاسی قصوں  
ہوتی، بھلا بتایا جائے عزیز مسلمان جو سیاست کے میدان ہی سے تقریباً

کل چکے ہیں۔ ان میں مذکورہ بالا سیاسی نظریات کے اختلافات کے  
کر کرنے والوں کے رہ جانے کی وجہ ہی کیا ہو سکتی ہے۔ دنیا کی سیاست  
سے موثر عنصر جب تک مسلمان تھے واقعہ تو یہ ہے کہ اسی زمانہ میں فرقہ

فرقہ یہ سارے سیاسی فرقے ختم ہو چکے تھے لے دے کہ اہلسنت والجماعت  
سنیوں کے مقابلہ میں امامیوں یا شیعوں کا ایک فرقہ رہ گیا۔ جو پڑانے

جھگڑوں کے ذکر کو سال کے خاص مہینوں میں یاد کر کے پھر بھول جاتا  
ہے اور پھر پوچھتے تو زیادہ تر مسلمانوں میں سیاسی فرقے اسی "شیعہ

مبقتہ" ہی میں پیدا ہوئے تھے۔ شہرستانی تک نے لکھا ہے کہ :-  
نال بعضہم ان ینفا وسبعین بعضوں کا قول ہے کہ ستر سے کچھ اوپر

فرقة من فرق المذکورة فی فرق جن کا حدیث میں ذکر آیا ہے خاص  
الخبر هو فی الشیعة خاصة ج ۲ کے شیعوں ہی میں پائے جاتے ہیں۔

اور آج بھی مسلمانوں میں سلیمانوں، داؤدیوں، آغا خانیوں، دروزیوں  
وغیرہ نام کے فرقوں کا ذکر سننے میں کبھی کبھی آجاتا ہے تو کون نہیں جانتا کہ  
یہ کل کے کل شیعہ طبقہ ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ اگرچہ ان میں ہر ایک اپنی  
قدرت تعداد کے لحاظ سے مسلمانوں کی اکثریت کے مقابلہ میں قابل توجہ  
نہیں رہا ہے۔

پس واقعہ تو یہی ہے کہ تجھے تو یہ سارے اختلاف سیاسی ہی اختلافات  
اور کچھ مختلف نظریات رکھنے والی سیاسی پارٹیاں ہی تھیں۔ لیکن زمانہ اور  
ماحول کے خاص حالات نے ان اختلافات میں مذہب کا رنگ اس لئے بھر  
دیا کہ ہر ایک اپنے نظریہ کی تائید میں عقلی و تجربی دلائل کے ساتھ کچھ نہ  
کچھ شرعی شہادتوں کے پیش نظر کرنے کا بھی اپنے زمانہ کے مذاق کے  
مطابق عادی نہ تھا۔

ظہ سیاسی نظریات کے ان اختلافات میں ایک اختلاف اس میں بھی تھا کہ حکومت کی جڑوں  
اور غلط کاریوں پر تنقید کا حق عوام کو حاصل ہے یا نہیں ابن حزم نے لکھا ہے کہ "المطہدی المنتظر" ہار  
امام کے خروج کے انتظار کر رہوالوں نے توڑے کر دیا تھا کہ جب تک امام کا ظہور و خروج نہ ہو، کسی  
قسم کی حکومت ہو اور چاہے جو کچھ بھی کر رہی ہو خاموشی سے کام لینا چاہیے اور نظریہ تقیہ کی  
پناہ میں جب جیسی تبتیسی کے مطابق "زمانہ بالوقتہ ساز و تواریخ زمانہ ساز" پر عمل پیرا رہنا چاہیے  
بعض لوگ صرف دل سے نفرت یا زیادہ سے زیادہ موقعہ دیکھ کر زبان (باقی صفحہ ۳۵ پر)

بہر حال سیاسی قصبوں، جھگڑوں، رگڑوں نے، افتراق و انتشار کے جن شراروں کو مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں جن لوگوں نے بھڑکا دیا تھا۔ اس کی اجمالی داستان کے بعد اب آپ کے سامنے اسی مسئلہ کے دوسرے پہلو کو پیش کرنا چاہتا ہوں۔ جس سے اندازہ ہوگا کہ فرقہ بندیوں کا طوفان اسلام کی ابتدائی صدیوں میں کیسے پھوٹ پڑا تھا اور رفتہ رفتہ چڑھنے کے بعد فتنوں کا یہ سمندر اتر کیسے گیا۔

## فرقہ بندی کی فوسری بنیاد

میں نے عرض کیا تھا کہ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں اسلامی دائرے کے اندر لوگ فوج در فوج داخل ہو رہے تھے قدرتاً اپنے ساتھ اپنے آباؤی رسوم، اور موروثی خیالات و عقائد کو بھی لائے اور گوانہوں نے اسلام کو قبول ہی اس لئے کیا تھا کہ تاریخی آلودگیوں سے اپنے موروثی ادیان کے پاک کرنے کی قدرتی کارگر شکل وہی ہو سکتی تھی جسے قرآن نے پیش کیا تھا۔

بلکہ وہ (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کَلْ جَاءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِينَ۔ (صافات)

سچائی لے کر آئے ہیں۔ اور اللہ کے بھیجے

(بقیہ حاشیہ) اور قلم تک تنقید کے حق کو جائز قرار دیتے تھے لکھا ہے کہ عام محدثین کا خیال بھی یہی تھا۔ لیکن عام علماء اسلام تلوار تک اٹھا لینے کے قائل تھے جب معاملہ عدسے گذر رہا ہو۔ تفصیلات کے لئے مسلمانوں کے سیاسی خیالات پر بحث کرنے والی کتاب کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

ہوؤں کی وہ تصدیق کرتے ہیں۔

## اسلامی پیغام کوئی نیا پیغام نہ تھا

یا اسی کے قریب قریب دوسرے الفاظ میں مسلسل اعلانات ہو رہے تھے، مطلب سب کا یہی تھا کہ خالق کائنات کے سچے نمائندوں کے پیغام کے صادق اجزاء اور صحیح عناصر پر تصدیق و توثیق کی مہر لگانے کے لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالمی رسالت کا پیغام دے کر اٹھایا گیا ہے اپنے مخاطبوں کو خطاب کر کے مصدق لمامعکم (یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت یہ ہے کہ تم لوگوں کے پاس جو سچائیاں پہلے سے موجود ہیں ان کی تصدیق کرنے والے ہیں) کے ساتھ ساتھ سورہ فاتحہ کے بعد پہلی سورہ بقرہ کی ابتداء ہی میں منجملہ دوسرے شرائط کے قرآن سے استفادہ کی ایک اہم شرط یہ بتائی گئی ہے کہ :-

يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ  
وَمَا أُنزِلَ مِنْ قَبْلِكَ -  
مانتے ہیں اس کو بھی جو تجھ پر اترا اور اسے  
بھی جو تم سے پہلے اتارا گیا۔

نیا دہرم، نیا دین، نئی بات سمجھ کر بدکنے والے قرآن اور محمدی پیغام سے جو بدکنے اور بھڑکتے تھے ان کو سمجھایا گیا ہے کہ :-

أَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ  
أَمْ جَاءَهُمْ مَا لَمْ يَأْتِ  
آبَاءَهُمْ إِلَّا وَكَيْنَ -  
کیا وہ بات کو سوچتے نہیں کیا ان کے پاس  
کوئی ایسی چیز آئی ہے جو ان کے ابا و اولین  
یعنی اگلی پشتوں کے باپ دادا کے پاس نہ

آئی تھی۔

## اسلام کو مان کر اپنے آبائی پیشواؤں سے کوئی بچھڑتا نہیں ہے

اپنے بزرگوں اور تاریخی پیشواؤں سے بچھڑ جانے کا خطرہ خواہ مخواہ دلوں میں جو پیدا ہو گیا تھا۔ اس کا ازالہ کر دیا گیا اور بتایا گیا کہ لوگ اُلٹی بات سمجھ رہے ہیں قرآن کا مقصد تو یہ ہے کہ بچھڑے ہوؤں کو اپنے اگلے باپ دادوں کے صحیح دین اور دھرم تک کھینچ کر پہنچاؤ وہ توڑنے کے لئے نہیں بلکہ ہر قوم کو ان کے واقعی صالح سلف سے جوڑنے ہی کے لئے نازل ہوا، بیعت کرنے والوں سے عہد لیا جاتا تھا کہ :-

اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلَاٰئِكَتِهٖ وَ  
کُتِبَ عَلَيْهِ دَسُّ سَلَامٍ۔  
انا اللہ کو فرشتوں کو اللہ کی کتابوں کو  
اللہ کے رسولوں کو

اور اس کے ساتھ یہ ذمہ داری بھی قبول کرنی پڑے گی کہ :-

لَا تَفْرِقُ بَيْنَ اٰحِبِّ مِّنْ  
رَّسُوْلِهِ۔ (البقرہ)  
ہم کسی قسم کی تیز سے کام نہ لیں گے۔ اللہ کے  
ان پیغام پہنچانے والوں کے متعلق۔

یعنی سب ہی کو مانیں گے اور یقین کریں گے کہ ان میں جس نے بھی پہنچایا اس نے کائنات کے خالق کردگار اور مالک پروردگار ہی کا پیغام پہنچایا۔ خواہ زمین کے کسی علاقہ میں آیا ہو اور انسانی نسلوں میں سے جس نسل میں بھی اٹھایا گیا ہو، صرف اجمال ہی سے کام نہیں لیا گیا۔ بلکہ سارے بنی آدم

کو مخاطب بنانے کے لئے خطاب کی ابتداء خاص وجوہ و اسباب کی بنا پر جس علاقہ کے باشندوں سے کی گئی ہے۔

— یعنی عرب کے رہنے والے گذرے ہوئے پیغام بردوں میں سے جن بزرگوں کے کام یا کم از کم نام ہی سے ان میں جو مانوس تھے۔ ان کے ناموں کی تصریح کر کے بار بار قرآن منادی کر رہا تھا کہ تمام بیرونی آلائشوں سے پاک و صاف کر کے دین اور دھرم کی جو شکل الاسلام کے نام سے تمہارے سامنے پیش ہو رہی ہے۔ یہ وہی دین ہے جس کی وصیت نوح کو ابراہیم کو موسیٰ کو عیسیٰ کو کی گئی تھی، صحیح انجام تک پہنچنے کی سیدھی راہ انسانیت کے لئے پہلے بھی یہی تھی، اب بھی یہی ہے، آئندہ بھی یہی رہے گی اسی صراطِ مستقیم (سیدھی راہ) کی طرف بنی آدم کو بلانے والے خواہ کسی زمانہ میں آئے ہوں کہیں آئے ہوں، سب انسانی برادری ہی میں پیدا ہوئے تھے، ان میں بعضوں کو بعضوں سے جدا کرتا، انسانی نسل کی وحدت کا انکار ہے، چند مانوس ناموں کے تذکرہ کے بعد فرمایا گیا ہے، کہ ان کے سوا اور بھی جو دینی پیشوار جہاں کہیں گذرے ہیں۔

لے اسی وجہ سے اسی علاقے کی زبان عربی میں قرآن نازل ہوا مگر اسی کے ساتھ قرآن ہی میں کہ دیا گیا ہے کہ عربی و عجمی کے قصوں کو صرف نہ ماننے والے بہانہ بناتے ہیں ورنہ ایمان کی تلاش جن میں ہے ان کے لئے ہر حال میں یہ کتاب ہدایت و شفا ہے۔ فرمایا گیا ہے۔ **اَعْجَبْتُمْ وَاَعْرَبْتُمْ قُلُ** **هُوَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّ شِفَاۗءٌ لِّمَنْ سَجَدَ** یعنی عربی یا غیر عربی، کہہ دو کہ انہوں نے مان لیا ان کے لئے یہ کتاب راہنمائی بھی ہے اور (دروگوں سے) شفا بخشتی ہے۔

وہ ان ہی کے باپ دادا تھے یا ان ہی کی اولاد  
میں تھے یا ان کے بھائیوں میں تھے۔ ہم نے  
ان کو چین یا ادر راہنمائی کی ہم ہی نے ان  
کی سیدھی راہ کی طرف

وَمِنْ آبَائِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ  
وَإِخْوَانِهِمْ وَأَجْتَبَيْنَاهُمْ  
وَهَدَيْنَاهُمْ إِلَى صِرَاطٍ  
مُسْتَقِيمٍ (الانعام)

## مذہبی پیغام لانے والوں میں قرآنی رشتہ

جس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ جن کا قصہ بیان  
کیا گیا اور جن کا نہ بیان کیا گیا مگر انسانیت کے صحیح انجام تک پہنچانے  
والی اس سیدھی راہ (صراطِ مستقیم) کی طرف جن کی راہنمائی کی گئی اور انہوں  
نے دوسروں کو اسی راہ کی طرف بلایا، کم از کم ان سب میں اخوت اور برادری  
کا تعلق تھا اسی لئے افریقین نسلوں والے ہوں یا سامی خانوادہ والے، یا ان  
کو مشیرین (ترکی و تاتاری) گوت میں شمار کیا جاتا ہو، خواہ انکی پیدائش  
عرب میں ہوئی، یا شام میں، مصر میں ہو، یا عراق، ہند میں ہو یا سند  
میں، چین میں ہو یا چین میں صراطِ مستقیم پر یہ سارے چلنے والے اور چلائے  
والے باہم ایک دوسرے کے بھائی اور اخوانِ قرآن کی رو سے ہیں۔ آنحضرت  
صلی اللہ علیہ وسلم کا قاعدہ بھی تھا کہ گزرے ہوئے پیغمبروں میں سے جب  
کسی کا نام لیتے، تو عموماً بھائی (اخئی) کا لفظ استعمال فرماتے۔ معراج والی  
حدیث میں بھی ہے کہ آبائی رشتہ جن ملنے والے پیغمبروں سے آپ کا نہ تھا وہ  
آپ کا استقبال مرجباً بالاخ الصالح کے الفاظ میں کرتے تھے۔

اسی موقع پر سورۃ الانعام میں جہاں انبیاء پر فرسل علیہم السلام کے درمیان ابوت و نبوت و انخوت کے رشتوں کا قرآن نے اعلان کیا ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں ہی کو نہیں بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے مطالبہ کیا گیا ہے کہ :-

أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ  
فِي هَذَا هُمْ أَقْتَدَاءُ -  
یہی وہ لوگ ہیں جن کی راہ نمائی اللہ نے  
کی، پس ان ہی کی ہدایت کی پیروی تو بھی

رشتہ داری کے تعلقات میں پھر بھی گو نہ غیریت گویا رہ جاتی ہے  
اسی غیریت کا خاتمہ ”ہدی“ کی وحدت و عینیت کا اعلان کر کے کر دیا  
گیا، اجمال کے ساتھ ساتھ تفصیلی قوانین کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ بھی سنایا  
جاتا تھا کہ :-

يُؤَيِّدُ اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا  
يَهْدِيكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِنْ  
قَبْلِكُمْ - (النسار)  
خدا چاہتا ہے کہ تم سے پہلے جو گمراہے ہیں  
ان کے طور اور طریقوں کی طرف تمہاری  
راہ نمائی کرے۔

زبان سے بھی یہی کہا جاتا تھا، عمل کر کے بھی اس کو دکھایا جاتا تھا  
موسیٰ علیہ السلام کو پیشوا ماننے والوں کو دیکھا گیا کہ عاشورہ کے دن جشن منا  
رہے ہیں وجہ پوچھی جاتی ہے جواب ملتا ہے کہ اسی دن فرعون سے موسیٰ  
علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو نجات ملی تھی۔ سننے کے ساتھ قرآن کے  
پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

انا احق بموسیٰ منکم  
میں حضرت موسیٰ (کی خوشی میں شرکت)



کاتم سے زیادہ حق دار ہوں۔ (بخاری)

## مسلمانوں کا اہل کتاب سے رشتہ

اپنے آباء اولین سے نسبتاً جو زیادہ دور نہ ہوئے تھے، مثلاً حضرت یحییٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والے عیسائی جن کے پیغمبر نزولِ قرآن سے تقریباً پانسو سال پہلے گذرے تھے یا ان سے چند صدیاں پہلے موسیٰ علیہ السلام تھے جن کو یہود اپنا پیغمبر مانتے تھے، ان مذہبی جماعتوں کے اندر حالانکہ بعض ناقابلِ عفو اعتقادی و عملی کمزوری شریک ہو چکی تھیں لیکن باوجود اس کے ان میں ان سچائیوں کی بھی کافی اور معقول مقدار نسبتاً زیادہ محفوظ تھی۔ جنہیں خالق کائنات کی طرف سے حضرت عیسیٰ اور موسیٰ علیہما السلام نے

لہ اس کو یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن ہی میں مختلف مواقع پر یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ ان کو چونکا نام مقصود ہے جن کے آباء (باپ دادا) چونکائے گئے یعنی لَسْتُمْ مِمَّنْ قَوْمًا مَّا أُنذِرَ أَبَائَهُمْ وَغَيْرِهِمْ آیاتوں میں عرف آباء کا لفظ ہے جس سے مراد قریب کی گذشتہ پشتیں ہیں اور جہاں یہ فرمایا گیا ہے کہ تمہارے باپ دادوں کو جو کچھ دیا گیا تھا کیا اس کے سوا اب دیا جا رہا ہے۔ یہاں آباء کے ساتھ اولین کا لفظ ہے نزولِ قرآن کے زمانہ میں عموماً بنی آدم کی تمام نسلیں چند پشتوں سے بدترین جہل و عبادت و منکالت کی شکار ہو چکی تھی یہی وہ پشتیں تھیں جن کے متعلق قرآن مَّا أُنذِرَ أَبَائِهِمْ کہتا ہے یعنی وہ چونکائے نہ گئے، ورنہ تاریخی طور پر ہر قوم کے قدیم اسلاف کے پاس خدا کا پیغام آیا تھا اور قدیم اسلاف یا آباء اولین کے اسی پیغام کو قرآن کے ذریعہ سے تروتازہ کیا گیا نئی زندگی بخشی گئی۔ ۱۲

ان تک پہنچائی تھی۔ فرسودہ تاریخ رکھنے والی قوموں کے مقابلہ میں ان عیسائیوں اور یہودیوں کے دین کی تاریخ زیادہ غنت ربدو نہیں ہوئی تھی جہاں تک میرا خیال ہے اسی کا نتیجہ ہے کہ قرآن پر ایمان لانے والوں کے لئے ان دونوں دینی امتوں سے ازدواجی رشتہ قائم کرنے کا دروازہ یہ حکم دے کر کھول دیا گیا کہ ان کی عورتوں سے مسلمان نکاح کر سکتے ہیں خواہ اپنے دین کی تصحیح و تطہر کے لئے قرآنی ہدایات پر ایمان لانے کی سعادت سے یہ کتابیہ عورتیں محروم ہی کیوں نہ ہوں۔

مصلحت اندیشیوں پر اسلامی دین کی بنیاد اگر قائم ہوتی تو رشتہ داری کے اس دروازے کے کھلے رکھنے کی خود سوچنا چاہیے کیا گنجائش پیدا ہو سکتی تھی؟ مسلمانوں کے گھروں میں ان دینی اقوام کی عورتوں کے گھسنے کی اجازت میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ قطعاً غیر مال اندیشانہ فعل ہوتا اگر اسلام بجائے دین کے صرف سیاسی کاروبار کے انجام دینے کا خدا نخواستہ کوئی حیلہ اور بہانہ ہوتا سیاسی کش مکش ان دینی قوموں سے نزول قرآن ہی کے عہد میں حالانکہ شروع ہو چکی تھی، لیکن اس کی پرواہ کئے بغیر دینی مناسبتوں پر جو اجازت ملتی تھی، اس اجازت میں کسی قسم کی ترمیم پر قرآن آمادہ نہ ہوا کہ اس کے سامنے صرف دین تھا، توثیق و تصحیح اور قدرتِ تعالیٰ کے نصب العین کو دنیا کے سارے مذاہب و ادیان کے سامنے قرآن نے جو رکھا تھا اس نصب العین سے استفادہ کی صلاحیت اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کے دین میں چونکہ واقعہ کے لحاظ سے زیادہ پائی جاتی تھی۔ دوسروں کے لحاظ سے وہ زیادہ،

قریب تھے اس لئے سیاسی خطرات اور اندیشوں کی پروا کئے بغیر اس قانون کو باقی رکھا گیا۔ اور وہ آج تک باقی ہے۔ اور یہی ایک دروازہ نہیں کھان پان میں بھی مسلمانوں کو قرآن نے اہل کتاب سے اور اہل کتاب کو مسلمانوں سے قریب رکھنے کی جو کوشش کی ہے وہ بھی اسی نصب العین ہی کا اقتدار ہے۔

## یہود و نصاریٰ کے سوا دوسری دینی قوموں کے ساتھ صحابہؓ کا طرز عمل

بلکہ قرآن جن لوگوں میں نازل ہو رہا تھا۔ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست قرآنی نصب العین کے سمجھنے کا موقعہ جنہیں ملا تھا، میری مراد حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے ہے، عرب سے باہر نکلنے کے بعد ان کے سامنے جب ایسی قومیں آئیں جن کی دینی تاریخ ماضی کے

لے یہ سوچنے کی بات ہے کہ قرآن کو خدا کا حکم جان چکے تھے یعنی مسلمان ان کو تو قرآن اپنے حکم کا مکلف بنا سکتا تھا لیکن کھان پان کے مذکورہ بالا قانون کے الفاظ ہیں: طَعَامُ الَّذِينَ  
أُوْتُوا الْكِتَابَ حَلٰلٌ لِّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حَلٰلٌ لَّهُمْ یعنی جنہیں کتاب دی گئی ان کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لئے حلال ہے اس میں دوسرا جزو یعنی مسلمانوں کا کھانا اہل کتاب کے لئے حلال ہے، یہی غور طلب ہے قرآن کو اہل کتاب اللہ کی کتاب ہی جب نہیں مانتے تو ان کو مکلف بنانے کی غرض کیا ہو سکتی ہے۔ منجملہ دوسرے وجوہ کے میری سمجھ میں تو یہی آتا ہے کہ مسلمانوں کو جیسے قرآن اہل کتاب سے قریب کرنا چاہتا ہے اسی طرح اہل کتاب کو بھی مسلمانوں سے قریب کرنے کیلئے یہاں پیرایہ تعبیر اس نے اختیار کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

دھند لکوں میں تقریباً غروب ہو چکی تھی کم از کم اہل کتاب کے دین کی تروتازگی کی کیفیت ان میں باقی نہ رہی تھی، تاہم آثار و قرآن بتاتے تھے کہ آسمانی سچائیوں سے وہ بھی مانوس ہیں، تو جس حد تک تاریخی نشانات اور آثار کا اقتضار تھا، یا ہو سکتا تھا۔

— صحابہ کرام نے تاریخ کی ان شہادتوں سے لاپرواہی نہیں برتی۔ ایران کے مجوسیوں کے متعلق حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مسلمانوں کے تعلقات کی نوعیت کو منفتح کرتے ہوئے ان ہی تاریخی آثار کا حوالہ دیا، فرمایا گیا تھا کہ ان کے پاس بھی صحیح دین اور آسمانی کتاب تھی، دست برد زمانہ نے گوان کی دینی زندگی میں بیرونی آلائشوں کو شریک کر دیا ہے لیکن ان کا حال ان جنگلی قوموں کا نہیں ہے، جو جنگلوں میں حیوانوں کی زندگی بسر کرتے ہیں اور کسی قسم کے آئین و دین سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

اے تفصیل کے لئے مطولات کا مطالعہ کرنا چاہیے، مجوس ہی نہیں بلکہ عام فقہاء اسلام نے اس کا حق کہ آئینی معاندہ کر کے اسلامی حکومت کی حفاظت کے دائرے میں شریک ہونے کے لئے۔ اور اس معاہدے کے بعد اسلامی حکومت ان کی جان اور مال عزت و آبرو کی ذمہ دار بن جاتی ہے تقریباً اس رعایت میں ان ساری قوموں کو داخل کر لیا ہے جو اپنے پاس مجوسیوں اور ایرانیوں کی طرح کسی نہ قسم کی دینی تاریخ رکھتی تھیں اور گوجہور فقہاء اس فیصلہ میں ابن حزم کے مخالف ہیں لیکن اس شخص نے تو مجوس کے متعلق ان سارے حقوق کا دعویٰ کیا ہے جو اہل کتاب دیہود و نصاریٰ کو اسلامی دین میں حاصل ہیں دوسرے دلائل کے ساتھ اپنی تائید میں بعض صحابہ کے طرز عمل کو بھی ابن حزم نے پیش کیا ہے لکھا ہے کہ مشہور صحابی حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی جن کا نام

کچھ بھی ہو قدر مشترک کے طور پر اتنی بات بہر حال سمجھ میں آتی ہے، کہ قرب و بعد، یا نزدیکی و دوری کا تعلق خونی رشتوں سے وابستہ کرنے کا جو عام رواج ہے اس کے مقابلہ میں دینی اور مذہبی قوموں کے ساتھ اسلام نے رشتہ کا معیار بننا ہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بجائے خون وغیرہ کے ہر قوم کے دین کی تاریخی نوعیت کو ٹھہرایا ہے جن کے دین کی تاریخ نسبتاً فرسودگی و کھنگلی کے عوارض سے جتنی زیادہ پاک ہے ان سے اسی حد تک مسلمانوں کو قرآن نے قریب رہنے کا نقطہ نظر پیش کیا اور سیاسی یا معاشرتی، کلچری وغیرہ اعراض کے لحاظ سے نتائج کچھ بھی ہوں، لیکن قوموں کو اپنے اپنے ابائی ادیان اور دھرموں کی تطہیر و تزکیہ کے مواقع اس رشتہ سے چونکہ فراہم ہو سکتے ہیں، اس لئے بین الاقوامی تعلقات میں رشتہ ناطے کے اس عجیب و غریب باب

(بقیہ حاشیہ) "سابر وخت" تھا جس بصری کا قول نقل کیا ہے کانت الملائکة خذیفہ مجوسیة ۲۴۹ ۹۶ عمل۔

برہما اور ابراہیم اور مشہور قرآنی آیت یعنی انی جعلت للناس اماما میں تم کو سارے انسانوں کا

پیشوا بناؤں گا، اس کا وعدہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جو کیا گیا تھا شاید اسی وجہ سے بعض علماء اسلام

مثلاً عبد الکریم جیلی وغیرہ ہندوستان کے براہمہ یعنی برہمنوں کو سمجھتے ہیں کہ یہ ابراہیم علیہ السلام کے نام

کی طرف نسبت ہے اور ہندی برہما ابراہیم کے لفظ کا ہندی تلفظ ہے اسی طرح شہرستانی نے ایران

والوں کے متعلق لکھا ہے کہ کانت ملوک العجم کلہا ملتا ابراہیم ۲۵۰ مل و نخل

یعنی ایران کے سلاطین ابراہیمی ملت پر تھے لکھا ہے کہ الناس علی دین ملوک کرم کے عام

قاعدہ کے رو سے ایران کے باشندوں کی عمومیت کے متعلق یہی سمجھنا چاہیے کہ ان کے دین کا

تعلق بھی ابراہیم علیہ السلام ہی سے تھا۔

کو اسلام نے کھول دیا۔ عہد صحابہ ہی سے اس پر عمل درآمد شروع ہوا اور بعد  
کو بھی کھلا ہی رہا۔

اس راہ میں عملی شہادتوں کا جو ذخیرہ کتابوں میں پایا جاتا ہے۔ عہد  
نبوت میں اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کے ساتھ مسلمانوں کے میل جول  
کے جن واقعات کا سراغ دوسری روایتوں کے ضمن میں جو ملتا ہے، خود دریا  
رسالت میں ان دینی قوموں کے افراد کی آمد رفت سوال و جواب، بات  
چیت، ظرافت و طہیت کے جن قصوں کا صحابہ تذکرہ کیا کرتے تھے یا سرور  
کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفس نفیس ان کے ہاں جس بے تکلفی کے ساتھ  
آتے جاتے تھے اگر ان سارے واقعات کو اور ان کے ساتھ ساتھ حضرات  
صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے طرز عمل کو کوئی جمع کرنا چاہے  
تو ایک اچھی خاصی کتاب ہی اس مواد سے بن سکتی ہے۔

## حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت تورات کے متعلق

اب لوگوں کو کیا کہئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق ایک  
روایت جو نقل کی جاتی ہے کہ تورات کا کوئی حصہ ان کے ہاتھ میں تھا۔  
اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرنے  
لگے کہ :-

انخذتھا من اخی من بنی  
بنی ذریقہ (یہودی خاندان) سے تعلق رکھنے

ولے اپنے ایک بھائی سے مجھے یہ ٹکڑا تورات

ذریقہ (جمع الفوائد ص ۱۸)

کا ملا ہے۔

کہتے ہیں کہ جس خاص طریقہ سے عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس واقعہ کا ذکر کر رہے تھے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے باعث گزافی ہوا تھا۔ جس کی معافی بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی وقت چاہ لی تھی۔ عام طور پر لوگوں نے اس روایت کو تو مشہور کر دیا، مگر اس کا چرچا بھی کرتے ہیں حالانکہ سند جیسا کہ خود جمع الفوائد کے مصنف نے بھی آخر میں تنبیہ کی ہے کہ سند میں اس روایت کے ابو عامر القاسم بن محمد الاسدی راوی ہے جس کی متعلق کچھ نہیں معلوم کہ کون ہے اور اس کی روایت کس حد تک قابل بھروسہ ہو سکتی ہے علاوہ اس کے کون کہہ سکتا ہے ناگواری کا سبب کیا تھا۔ ایسی کتاب جس کے متعلق قرآن میں فرمایا گیا ہو کہ "ذیہ ہدی و ذوسہ" (اس میں راہ یابی اور روشنی ہے)، اس کتاب کا کوئی حصہ تو قطعاً باعث ناگواری نہیں ہو سکتا یہ خیال کہ بنی زریق کے اس آدمی کو جس سے تورات کا یہ حصہ حضرت عمرؓ کو ملا تھا اس کو بھائی کہنے کی وجہ سے برہمی کی صورت پیش آئی، ناقابل توجہ ہے، قرآن ہی نے "دینی اخوت" کا دروازہ کتابوں، اور مسلمانوں کے درمیان کھولا تھا وہی برہمی کی وجہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ہاں روایت میں حقیقت کا کچھ حصہ بھی اگر مان لیا جائے کہ شریک ہے۔ تو یہی سمجھا جاسکتا ہے کہ جہاں مسلمانوں اور دنیا کی دوسری دینی قوموں کے درمیان ان کے دین کے خصوصی حالات کی بنیاد پر اسلام دینی رشتہ اور اخوت کا تعلق قائم کرنا چاہتا ہے وہیں پوری قوت کے ساتھ تظہیر و

ترکیہ کے اصلاحی نصب العین کو بھی چاہتا ہے کہ نگاہوں سے ہٹنے نہ پائے۔  
 کیونکہ اس کے بعد تو نزولِ قرآن کا اصل مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ بیرونی  
 آمیزشوں اور من مانی آلائشوں سے ادیان و مذاہب کو پاک کرنا۔ اور اپنے  
 اپنے ابا و اولین کی صحیح تعلیم تک واپسی کا موقعہ ہر قوم کے لئے فراہم کرنا۔  
 یہی تو قرآن کے نزول کا سب سے بڑا مقصد ہے ہلکی سی لاپرواہی اور اس  
 جوہری نصب العین سے معمولی بے توجہی بھی فاحش اغلاط کی بقار کی ضمانت  
 بن سکتی ہے۔

## تورات کے ساتھ مسلمانوں کے

### تعلق کی نوعیت

اسلام کا ابتدائی زمانہ تھا ضرورت تھی کہ ہلکے سے ہلکے خطرے کا شروع  
 ہی میں انداد کر دیا جائے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ  
 علیہ وسلم کے اس طرز عمل کی تہ میں کچھ اس قسم کے اسباب پوشیدہ نہ  
 تھے، آخر ایک طرف جہاں اس روایت کا چرچا کیا جاتا ہے، وہیں ہم دیکھتے  
 ہیں کہ جہاں اس کا اطمینان تھا کہ پڑھنے والے کے سامنے سے تطہیر و تزکیہ  
 کا نقطہ نظر کسی حال میں اوجھل نہ ہوگا، وہاں یہی نہیں کہ منع نہیں کیا  
 گیا بلکہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے یہ عرض کرنے پر کہ میں نے  
 تورات بھی پڑھی ہے اور قرآن بھی؛



## عبداللہ بن سلام کو قرآن کے ساتھ تورات کی

### اجازت دی گئی

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا کہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ

میں نقل کیا ہے یہ حکم دیا کہ :-

ایک رات یہ پڑھو اور ایک رات وہ

اقرأ هذا ليلة وهذا ليلة

(تذکرۃ الحفاظ ذہبی ص ۲۶)

## عبداللہ بن عمرو صحابی اور تورات

اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عہد صحابہ اور ان کے بعد تابعین کے زمانہ

میں بھی ارباب ذوق تطہیری نقطہ نظر کو سامنے رکھتے ہوئے اس ارشاد

نبوی سے اٹھاتے رہے صحابیوں میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خاص طور پر اس باب میں شہرت حاصل تھی۔

ابن سعد نے طبقات میں نقل کیا ہے۔

## ایک تابعی کا ختم قرآن اور ختم تورات

کہ تابعین میں ابوالجلا الجونی ایک ثقہ بزرگ تھے جو ایک ہفتہ قرآن

کی تلاوت میں اور چھ دن تورات کے مطالعہ میں گزارنے دونوں کتابوں

لہ اسباب وغیرہ میں تفصیلات دیکھئے۔

کو ختم کر کے دعاء کی مجلس منعقد کرتے۔ کہتے کہ خدا کی رحمت کے نزول کے یہ  
خاص اوقات ہیں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ قوموں کے موروثی ادیان کے ساتھ قرآن نے  
مسلمانوں کا جو تاریخی رشتہ قائم کر دیا ہے اس رشتہ کے اقتضاؤں کی تکمیل  
اس طریقہ سے کرنا کہ تطہیر و تزکیہ کے مذکورہ بالا نصب العین سے بھی آنکھ  
جھپکنے نہ پائے اگر سوچا جائے تو غیر معمولی نازک ترین ذمہ داری اس کیوجہ  
سے مسلمانوں کے سرعائد ہو گئی ہے۔

بجائے اس کے بظاہر یہ کہیں زیادہ آسان معلوم ہوتا تھا کہ ایک قطعاً  
جدید انوکھے، نئے پیغام کی شکل میں اسلام کو دنیا کے عام مذاہب و ادیان  
کے مقابلہ میں پیش کر دیا جاتا۔ خصوصاً ایسی آیتیں مثلاً :-

لَنْ تَرْضَىٰ عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا  
النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ  
ہرگز تم سے نہ یہودی راضی ہو سکتے ہیں اور  
نہ نصاریٰ جب تک ان کی ملت کے تم پیرو  
رہو۔

آل عمران  
بطور حواشی

سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو ان دینی قوموں سے قرآن خواہ  
جتنا بھی قریب کرنا چاہتا ہو، لیکن مسلمانوں سے قریب ہونے پر دنیا کی یہ قومیں  
آبادہ نہ تھیں قریب ہونا کیا معنی بلکہ قرآن ہی صاف صاف کھلے لفظوں میں  
اس حقیقت کو بھی واضح کرتا تھا کہ :-

لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّطَوْرٍ رَّوَضًا  
تمام آدمیوں میں سب سے زیادہ سخت مسلمانوں کی

سہ ابن سعد طبقات ج ۱ صفحہ اول ص ۱۶۱

بَلِّدِينَ آمَنُوا إِلَيْهِمْ (المائدہ) دشمنی اور عداوت میں یہود کو پاؤ گے۔

لیکن گذشتہ ادیان و ملل کے ساتھ قرآن اور قرآنی تعلیم کا جو تاریخی رشتہ تھا، اس رشتہ کو توڑ لینے پر تو قرآن کیا آمادہ ہوتا وہ ان پرانے مذاہب کے ماننے والوں کے طرز عمل سے قطعاً بے پروا ہو کر اس رشتہ کو مضبوط اور استوار ہی کرتا چلا گیا اور اس سے بھی وہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ عقلی مصلحت اندیشیوں کا قرآنی دعوت میں خدا نخواستہ کچھ بھی دخل ہوتا تو عقل مشکل ہی سے اس عجیب و غریب طرز عمل کے باقی رکھنے کا مشورہ دے سکتی تھی۔ لیکن قرآن تو واقعات اور صرف حقائق کا شارح تھا۔

جس تاریخی رشتہ کا گذشتہ مذاہب ادیان کے ساتھ وہ مدعی تھا۔ یہی جب واقعہ تھا تو اس واقعہ کے سوا آپ خود بتائیے آخر وہ ظاہر کیا کرتا۔

## غیر مسلم اقوام خصوصاً اہل کتاب کے پیشواؤں کے ساتھ مسلمانوں کا طرز عمل

پسچ پوچھئے تو قرآنی تعلیم کے اسی پہلو کا نتیجہ ہوا کہ مسلمانوں نے ان کو بھی گلے لگایا، جو ان سے قریب ہونے کے لئے آگے بڑھے اور ان سے بھی وہ نزدیک ہی رہنے پر اصرار کرتے رہے، جو ان سے بھاگتے اور بھڑکتے رہے۔ وہ مسلمانوں کی، مسلمانوں کے پیغمبر کی، مسلمانوں کی کتاب کی توہین کرتے رہتے، مفتحکے اڑاتے رہے، لیکن مسلمان اس کے جواب میں ان کے پیغمبروں پر سلام ہی بھیجتے رہے ان کی کتابوں کا احترام ہی کرتے رہے ابتداء

اسلام سے یہی ہوتا چلا آ رہا ہے اور یہی ہوتا رہے گا، یہودیوں کا جو جی میں آتا ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہتے رہتے ہیں۔ لیکن یہودیوں کے انبیاء اور پیشواؤں کو مسلمان علیہم السلام کی دعاؤں ہی کے ساتھ یاد کرتے ہیں بلکہ داؤد سلیمان جنہیں یہودی صرف اپنے سلاطین اور بادشاہوں میں شمار کرتے ہیں لیکن علیہ السلام کے اضافہ کے بغیر ان کا نام بھی مسلمان نہیں لیتے قرآن نے ان کو یہی سکھایا ہے اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ تو عرض کر چکا ہوں، ان کا دینی رشتہ بہت زیادہ قوی ہے۔

## یونانی فلاسفہ و اطباء کے ساتھ ان کا طرز عمل

یونان کے فلاسفہ سقراط و افلاطون ارسطو یا اطباء بقراط و جالینوس جیسی غیر دینی شخصیتوں کے متعلق لوگوں کو حیرت ہوتی ہے جب مسلمانوں کی عام کتابوں میں پاتے ہیں کہ ان کا ذکر بھی کافی احترامی الفاظ میں کیا جاتا ہے خود ان کے نظریات ہی کو نہیں بلکہ جن نتائج تک یونانیوں کے طریقہ فکر کی روشنی میں مسلمان پہنچے ہیں اپنی کتابوں میں ان کا تذکرہ بھی اس طریقہ سے کرتے ہیں کہ گویا یونانی فلسفہ یا یونانی طب ہی کے مسائل ہیں۔ اچنچھا ہوتا ہے کہ باوجود استفادہ کے قوموں کی عام ذہنیت جہاں یہ ہے کہ دوسروں کی سوچی ہوئی باتوں کو لوگ چاہتے ہیں کہ ان ہی کی طرف منسوب ہو جائے۔ وہاں مسلمانوں میں اس کے برعکس یہ احترامی فرسخ چشماں اور

۱۰ خصوصاً یورپ کے علمی حلقے تنگ نگاہی کے اس مرض کے بدترین شکاروں میں ہیں (باقی صفحہ ۵۳ پر)

اعتزاتی روادار یاں کیوں اور کیسے پیدا ہو گئیں؟  
 ممکن ہے کہ اس کے اسباب کچھ اور بھی ہوں لیکن میں تو یہی سمجھتا ہوں  
 کہ یہ سب جو کچھ بھی ہے نتیجہ ہے قرآن کے اسی نقطہ نظر کا جو دینی قوموں کے  
 متعلق مسلمانوں کے اندر اس نے پیدا کر دیا ہے غیر دینی دائروں میں بھی ان  
 کی اس موروثی عادت کے آثار اگر پائے جاتے ہیں تو جس قوم کی تربیت  
 مسلمانوں کی اجتماعی نفسیات سے کی گئی ہے اس کو دیکھتے ہوئے کم از کم  
 مجھے تو اس پر تعجب نہیں ہوتا۔ لیکن جیسا کہ عرض کر چکا ہوں۔

## مسلمانوں کو چوکنا رہنے کا مشورہ

اس سلسلہ میں مسلمانوں پر جو ذمہ داری عائد ہو گئی ہے وہ حد سے  
 زیادہ تازک ہے۔ بے احتیاطیاں افراط یا تفریط میں لوگوں کو مبتلا کرتی  
 (بقیہ حاشیہ) سارے عقلی اور ذہنی علوم و فنون، حتیٰ کہ شعروادب۔ آرٹس یورپ والوں تک مسلمانوں  
 ہی کے ذریعہ پہنچا ہے۔ مسلمانوں کے توسط کے بغیر کسی علم یا فن کی صحیح تاریخی توجیہ ناممکن ہے  
 لیکن یورپ کے اہل علم و قلم کا یہ التزام معلوم ہوتا ہے کہ غلطی سے بھی مسلمانوں اور ان کے خدمات  
 کا ذکر ان کے زبان اور قلم پر آ ہی نہیں سکتا۔ ہزار سال کی طویل مدت سے چھلانگ مار کر ان میں  
 ہر ایک یونان و روم پہنچ جاتا ہے اور سارے علوم و فنون کے شجرہ نسب کا سلسلہ قدیم علمی تاریخ  
 کے ان ہی دونوں گہواروں سے جوڑ دیا جاتا ہے مرحوم ڈاکٹر اقبال کا شعر سے عہد نو یا جلوہ دار آ رہے  
 از غبارے پائے ما برناستہ ہے تو یہ ایک ہی شعر لیکن مجلدات میں بھی جو تاریخ سما نہیں سکتی  
 ان کے ان دو منبروں میں سب کچھ سمٹ گیا ہے۔

رہی ہیں اور تو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور ان صحابیوں کی صحبت میں تربیت پانے والے جس زمانہ میں موجود تھے اسی زمانہ میں ایسی صورت حال پیش آگئی تھی کہ حضرت عبداللہ بن عباس صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جھنجھلا کر ایک دفعہ کہتا پڑا۔ امام بخاری نے اپنی جامع صحیح میں اس کو نقل کیا ہے یعنی عام مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے ایک دن ابن عباسؓ نے کہا:-

## بخاری میں ابن عباسؓ کا قول

کیف تسئلون اهل الكتاب  
عن شیء و کتابکم الذی  
انزل علی رسولہ احدث  
تقرؤنہ محضاً لیسب  
وقد حدثکم ان اهل الکتاب  
بدلوا کتاب اللہ وغیروہ  
وکتبوا باید یہم الکتاب و  
قالوا هو من عند اللہ  
لیشتروا بہ ثمنا قليلا  
مسلمانو! اہل کتاب سے تم کیسے پوچھتے ہو، حالانکہ  
تمہاری کتاب جسے اللہ نے اپنے رسول پر اتاری۔  
(یعنی قرآن) تازہ ترین کتاب ہے (تم اس کتاب کو  
اس طور پر پڑھ رہے ہو جو خالص حال میں ہے بیرونی  
آئینرش اس میں نہیں ہوتی ہے) اس کے مقابلہ میں  
خود قرآن میں اللہ تعالیٰ نے تم کو خبر دی ہے، کہ  
اہل کتاب نے اللہ کی کتاب کو بدل دیا اور الٹ پلٹ  
دیا وہ اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں اور کہتے ہیں  
کہ یہ اللہ کے یہاں کی کتاب ہے تاکہ حاصل کریں  
اس کتاب کے معاوضہ تھوڑے دلم (یہ بھی قرآن ہی کی  
اطلاع ہے)

ص ۱۰۹۴ - ج

(بخاری کتاب الاعتقاد)

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب سے میل جول پونچھ گچھ کے سلسلے

میں کچھ لوگ یہاں تک بڑھ گئے تھے کہ تطہیر و تزکیہ کے قرآنی نصب العین کے متعلق جس غیر معمولی بیداری اور چونک کی ضرورت ہے اس سے ان میں کچھ لا پرواہی سی ابن عباسؓ کو نظر آئی کہ پیدا ہو رہی ہے، اسی لئے انہوں نے قرآن کے اسی نصب العین کو ظاہر کرتے ہوئے فرمایا کہ آسانی کتابوں کا یہ جدید آخری ایڈیشن ہے اور ایسا ایڈیشن ہے جو بیروتی آلائشوں سے قطعاً پاک ہے، برعکس اس کے اہل کتاب کی کتاب میں تغیر و تبدل سب کچھ ہو چکا ہے چاہیے تو یہ کہ اپنے مشکوک و مشتبہ نسخوں کی تصحیح و تطہیر قرآن پر پیش کر کے وہ کریں لیکن برعکس ان کے ان ہی مشکوک نسخوں سے بعض مسلمانوں نے قرآنی مضامین کو سمجھنا چاہا یہ ایک بڑا خطرناک اقدام تھا بلکہ قلب موضوع کی صورت تھی ابن عباسؓ نے مسلمانوں کو شروع ہی سے اس معاملہ میں محتاط رہنے کا مطالبہ کیا۔ فرضی اللہ تعالیٰ عنہ

بہر حال اس میں کوئی شبہ نہیں کہ رنگ و نسل و وطن اور زبان ہی نہیں بلکہ دینی اور مذہبی بنیادوں پر بھی نبٹی ہوئی قوموں کے لئے اسلام نے اپنے دروازے کو اس اعلان کے ساتھ جو کھول دیا کہ خواہ کسی رنگ کا آدمی ہو، کسی نسل کا ہو کہیں کا رہنے والا ہو جو زبان بھی بولتا ہو اور کسی دین سے تعلق رکھتا ہو، یہودی ہو، عیسائی ہو، مجوسی ہو، ان میں ہر ایک اسلام کی کتاب قرآن کو خدا کی کتاب مان کر اپنے اپنے صحیح آباؤی دین کو ہر قسم کی غیر خدائی آمیزشوں سے پاک کر کے اپنے پیدا کرنے والے کی خالص مرضی کے مطابق زندگی بسر کرنے میں کامیاب ہو سکتا ہے اور جس نصب العین

کی تکمیل کے لئے آدمی پیدا ہوا ہے اس کو حاصل کر سکتا ہے دوسرے لفظوں میں جس کا مطلب یہی تھا اور یہی ہے کہ قرآن پر ایمان لانے اور اسلام کے قبول کرنے کے بعد بھی سب کا خالق اور خدا بھی وہی رہے گا، جو پہلے تھا دین بھی سب کا وہی رہے گا۔ جو پہلے تھا یعنی جس قدرتی دستور العمل کی پابندی کا مطالعہ بندوں سے ان کے پیدا کرنے والے نے پہلے کیا تھا، اب بھی انسانیت کی نجات اسی قدرتی دستور العمل سے وابستہ ہوگی۔ الغرض خدا بھی وہی خدا رہے گا۔ جو ہمیشہ سے تھا اور دین بھی اصولاً وہی دین رہے گا جو ہمیشہ سے بنی آدم کا صحیح خدائی دین تھا بلکہ دین کے لانے والے یعنی پیدا کرنے والے کی مرضی سے آگاہ کرنے کے لئے بندوں میں وقتاً فوقتاً جو آئے رہے اور قوموں میں موروثی پیشواؤں کی حیثیت سے جو مانے گئے اور مانے جا رہے ہیں ان کو اب بھی اسی طرح مانا جائے گا، جیسے پہلے مانا جاتا تھا گو یا قرآن پر ایمان لانے کے بعد اس کا ہر ماننے والا پھر وہی ہو جاتا، جو پہلے تھا اور وہ سارے شکوک و شبہات جو مختلف تاریخی موثرات کے زیر اثر مذاہب اور مذاہب کے تعلیمات کے متعلق پیدا ہو گئے تھے۔ ان کا بھی ازالہ ہو جاتا ہے نیز خدا کی باتوں کے ساتھ غیر خدائی چیزیں شعوری یا غیر شعوری طور پر انسانی زندگی کے قدرتی زندگی کے قدرتی دستور العمل میں باہر سے جو شریک ہو گئی تھی باہر کی ان آلودگیوں سے ہر ایک کا دین پاک بھی ہو جائے گا اور خاص حالات کے لحاظ سے دین میں جن آسانوں کو انسانی فطرت تلاش کرتی ہے وہ بھی قرآن میں مل جائیں گی۔



فطرۃ اللہ التي فطر الناس علیہا  
لا تبدل لخلق اللہ القرآن،  
اللہ کی سرشت جس پر اللہ نے آدمی کو پیدا  
کیا اللہ کی خلقت میں تبدیلی نہیں ہے۔

میرے نزدیک سورہ روم کی اس آیت کا مفہوم بھی یہی ہے۔  
کچھ بھی ہو قرآنی دعوت کا یہ دلاویز پیرا یہ اور اس کے پکار کی یہ لکشی  
تھی ہی ایسی کہ لوگ سننے جاتے تھے اور ماننے جاتے تھے عرب کے اندر تو  
ابتداء میں کچھ کش مکش کی شکلیں بھی پیش آئیں، ہچکچانے والے شروع شروع  
میں کچھ ہچکچاتے بھی رہے۔ زیادہ تر اس کش مکش اور ہچکچاہٹ میں جہاں  
تک میرا خیال ہے عربوں کی جاہلیت کو تھا۔

## اسلام اور متمدن اقوام

لیکن جوں ہی کہ اسلام عرب کے جاہلوں سے نکل کر متمدن اقوام  
اور شاہانہ امتوں کے درمیان پہنچا یہ واقعہ ہے کہ اس کے ماننے والوں  
نے اس کے ماننے اور تسلیم کر لینے میں اتنی عجلت سے کام لیا کہ آج اگر  
یہ پوچھا جائے کہ سارا شام سارا مصر سارا ایران ترکستان اور اسی قسم کے  
ممالک کے باشندے اچانک کیسے مسلمان ہو گئے تو غیر ہی نہیں میرا تو خیال  
ہے کہ خود مسلمان جو اپنی مستقل قومی تاریخ رکھتے ہیں۔ وہ بھی اس سوال کا  
شاید کوئی تشفی بخش جواب نہیں دے سکے۔

پہلی صدی ہجری کے اندر اسلام قبول کر بیوالی قومیں  
ہجری کی پہلی صدی ختم نہ ہوتی تھی کہ دائرہ اسلام میں داخل ہونے

## والوں میں بقول جرجی زیدان۔

معظم اصم العالم المتقدم في  
ذالك الحمن وفيهم العرب  
والفرس والكلدان والروم و  
القوط والقطب والنوبت و  
البربر وكانوا يتكلمون العربية  
والفارسية والبهلوية والكرديت  
والارميتية والقطبية و

اس زمانہ کے متمدن ممالک کا بڑا حصہ شریک  
ہو گیا جس میں عرب بھی تھے اور ایرانی بھی،  
کلدانی بھی تھے اور رومی بھی گاتھ بھی تھے  
اور قبطنی بھی، سودانی بھی تھے اور فارسی بولنے  
والے بھی، پہلوی زبان والے بھی اور کردی  
زبان والے بھی، قبطنی زبان والے بھی، اور  
بربری بھی۔

البربرية وغيرهما۔ (المتمدن الاسلامي ص ۲۰۱ ج ۱)

باہر سے قوموں کو فتح کر کے سیاسی اقتدار کے شکنجوں میں ان کو کس

لینا یہ نہ اسلام کا امتیاز ہے۔ اور نہ کسی دین کی شایان شان یہ بات ہو

سکتی ہے کہ مار مار کر لوگوں کو مال گزاری کے ادا کرنے پر مجبور کیا جائے اور

سچ تو یہ ہے کہ جسمانی قوت یا اسلحہ کی بدترمی بھی ان لوگوں کو حاصل نہ تھی

جن کے ہاتھوں پر ان قوموں نے اسلام کو قبول کیا، حیرت میں جو بات

ڈال دیتی ہے وہ قوموں کا یہی اندرونی انقلاب ہے کہ جو قوم جتنی زیادہ

لہ آخر میں پوچھتا ہوں کہ فتوحات کی وسعت کے لحاظ سے ایرانی، یونانی، رومانی حکومتوں

کے سوا اس زمانہ میں انگریزوں اور روسیوں نے جو کچھ کر کے دکھلایا ہے۔ کیا ان کے مقابلہ میں

مسلمانوں کے فتح کئے ہوئے رقبوں کا کیا ہم ذکر بھی کر سکتے ہیں۔ اسلام کا اگر یہی کمال تھا تو

اس کمال کی حق دار دنیا کی بہت سی قومیں ہیں۔ ۱۲

متمدن اور تعلیم یافتہ تھی اسی قدر اسلامی پیغام کے قبول کرنے میں اُس نے  
 سبقت کی، اور کیوں نہ کرتی، شک کی جگہ یقین، مخلوط کی جگہ اپنے پیدا  
 کرنے والے کی خالص مرضی اور خالص دین کو ڈھونڈنے والے جب قرآن  
 میں پارہے تھے تو جو کچھ انہوں نے کیا اس کے سوا آخر وہ کیا کرتے البتہ  
 ناواقفیت کی وجہ سے جن بے چاروں کو اس کا پتہ نہیں چل رہا تھا کہ جس  
 دین کو وہ مان رہے ہیں، اس میں صحیح عناصر کے ساتھ غیر دینی عناصر بھی  
 گھل مل گئے ہیں ان بیچاروں کو ضرور دشواری، پیش آتی تھی، لیکن جو جانتے  
 تھے کہ دین اور دھرم کے نام سے جو چیز ان میں پائی جاتی ہے۔ یہ ان کے  
 آباؤ اجداد کے دین کی صحیح شکل نہیں ہے اس واقعہ کا جتنا واضح علم جن  
 قوموں میں تھا اسی حد تک قرآن میں اپنے درد کی دوا ان کو نظر آئی،  
 قرآن ان کے لئے رحمت بن گیا گویا ان کے دل کی پکار کا وہ قدرتی جواب  
 تھا اس کتاب پر ایمان لانے کے ساتھ ہی ان پر کھل گیا کہ جو کچھ کھویا گیا  
 تھا وہ بھی ان کو مل گیا اور حالات نے جن نئی ضرورتوں کو جو پیدا کر دیا  
 تھا ان کا حل بھی اس میں موجود تھا۔ قرآن کا یہی پوزیشن قوموں کے  
 درمیان پہلے بھی تھا اب بھی ہے اور آئندہ بھی رہے گا۔ آسمانی کتابوں کا  
 وہ آخری ایڈیشن ہے اس دعویٰ کا یہی منطقی نتیجہ اور اقتضا ہے۔ قدر  
 قیمت قرآنی دعوت کے اس پہلو کے مقابلہ ہی سے سمجھ میں آتی ہے کسی  
 خاص نسل یا کسی خاص رنگ، یا خاص زبان یا خاص ملک کے باشندوں، یا  
 خاص مذہب کے ماننے والوں کی حد تک اپنے خطاب کو قرآن اگر محدود

رکھنا اور بجائے جوڑنے کے اعلان کرتا کہ ہر قوم کو ان اُمور و ثنی پیشواؤں اور آباؤ اجداد سے جوڑنے کے لئے وہ نازل ہوا ہے تو ماننے والوں نے جس طریقہ سے اس کتاب کو مانا کیا یہ کامیابی اس کے سامنے آسکتی تھی؟

## اسلام کے پیش کرنے میں اصولی غلطی

افسوس ہے کہ پیش کرنے والوں ہی کی طرف سے دوسروں کی ریس میں دیکھا جا رہا ہے، کچھ دنوں سے دیکھا جا رہا ہے کہ بجائے تصدیق و توثیق، تصحیح و تکمیل کے سابقہ مذاہب و ادیان اور ان کی تعلیمات ان کے پیشواؤں کی تحقیر و توہین کے اس طریقہ کو لوگ اختیار کر رہے ہیں۔ جو یورپ کے پادریوں کا طریقہ تھا۔

## مذاہب کا تقابلی مطالعہ پادریوں کا دستور ہے

مذاہب کے تقابلی مطالعہ کے عنوان سے یورپ کے ان ہی پادریوں نے مذاہب کی تحقیق و تفتیش کی یہ نئی راہ جو نکالی تھی افسوس ہے، کہ مسلمانوں میں بھی یہی طریقہ حسن قبول حاصل کر رہا ہے حالانکہ ضرورت ہے کہ قرآن نے خود اپنے آپ کو قوموں کے درمیان جس طریقہ سے رکھا ہے اور ادیان و مذاہب کے سلسلہ میں اپنا طبعی مقام اس کتاب نے خود جو متعین کر دیا ہے اسی مقام پر اس کو رکھا جائے بلاتے والوں کو چاہیے کہ اسی مقام پر کھڑے ہو کر اس کتاب کی طرف لوگوں کو بلائیں اور اسی امتیازی رنگ کے

ساتھ قوموں میں اس کتاب کو روشناس کرائیں، یہ ہو سکتا ہے اور ہو بھی چکا ہے کہ سابقہ آبابی مذاہب سے قرآن چونکہ اپنے ماننے والوں کا رشتہ کلیتہً منقطع نہیں کرتا۔ اس لئے اسلام قبول کر لینے کے باوجود بعضوں میں اس زہر کا کچھ بچا کچھا اثر رہ جائے جن سے مذاہب و ادیان کو پاک کرنے کے لئے قرآن نازل ہوا ہے میں عرض کر چکا ہوں کہ قرآنی نقطہ نظر کا تو نتیجہ یہ نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس نقطہ نظر کے صحیح استعمال سے محرومی کا ثمرہ اُسے سمجھنا چاہیے مگر کیا کیجئے ہر چیز کو ٹھیک اپنے صحیح صحیح مقام پر رکھ کر استعمال کرنے کا سلیقہ ہر ایک میں نہیں ہوتا۔

## قرآن کے صحیح نقطہ نظر کے استعمال میں غلطی

مسلمانوں میں فرقہ بندی کی دو بنیادوں میں ایک بنیاد تو سیاسی

اختلافات والی تھی، جس کا قصہ آپ سن چکے اور دوسری بڑی اہم بنیاد جس

سے مسلمانوں میں مختلف فرقے اسلام کی ابتدائی صدیوں ہی میں پیدا ہو گئے

تھے اس کا تعلق جہاں تک میرا خیال ہے زیادہ تر اسی مسئلہ سے تھا، کہ

غیر مذاہب کے لوگ شروع شروع اسلام میں داخل ہوئے۔ ان میں کچھ

ایسے بھی تھے جو اپنے آبابی دین کے بعض زہریلے جراثیم کو اپنے اندر سے

نکالنے میں جیسا کہ چاہئے کامیاب نہ ہو سکے۔ بجائے تطہیر و تزکیہ کے ان

لوگوں نے یہ چاہا کہ اپنے پرانے خیالات کے مطابق قرآنی آیات کو کر بیا

جائے رٹا ہر ہے کہ یہ بالکل قلب موضوع تھا قول فیصل تو قرآن تھا، لیکن

ان کو اندازہ ہوا ہو یا نہ ہوا ہو مگر کیا انہوں نے یہی کہ قرآن ہی کو تابع بنا لیا اور جن عقائد و خیالات کے ماحول میں موروثی طور پر ان کی پرورش ہوئی تھی ان ہی کو اصل کی حیثیت سے استعمال کرتے رہے یہ خطرہ پہلے بھی پیش آیا ہے اور قرآنی نقطہ نظر کا غلط استعمال ممکن ہے کہ آئندہ بھی اس خطرے کو سامنے لیں مگر ظاہر ہے کہ غیر فطری کاروبار زیادہ دیر تک جاری نہیں رہ سکتا۔ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں اسی غیر فطری کاروبار کے شکار ہو کر مسلمانوں میں نئے نئے فرقے جن لوگوں کی وجہ سے پیدا ہو گئے تھے۔ ان کا انجام بتا رہا ہے، کہ خدا نخواستہ اگر یہ خطرہ پیش بھی آیا تو اللہ اس کا انجام بھی وہی ہو گا جو پہلوں کا ہو چکا ہے اور اب مختصر الفاظ میں کچھ اسی اجمال کی تفصیل کرنا چاہتا ہوں۔ افسوس ہے کہ مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کی داستان کا مطالعہ اس تاریخی نکتہ کی روشنی میں نہیں کیا گیا ہے ورنہ جتنے دردناک لہجوں میں اسلامی فرقوں اور ان کے انتشار پر اگندگی کا مرثیہ سنایا جاتا ہے۔ شاید یہ کیفیت اس میں نہ پیدا ہوتی،

## اختلاف کی ابتداء مسئلہ تقدیر سے ہوئی

واقعہ یہ ہے کہ سیاسی اختلاف کے بعد مسلمانوں میں جیسا کہ جاننے والے جانتے ہیں اعتقادی اختلاف کی ابتداء مسئلہ قدر سے ہوئی، صحیح مسلم میں ہے کہ:

اول من قال فی القدر،

بالبصوة معبد الجہنی <sup>۱۶</sup> (فتح الملہم)

سب سے پہلے قدر کے مسئلہ پر بصرہ میں معبد تھی

نے گفتگو کا آغاز کیا۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں کی کافی تعداد زندہ تھی صحیح مسلم کی اسی روایت میں ہے کہ ابصرہ سے کچھ لوگ مدینہ منورہ آئے اور قدر کے مسئلہ میں مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن عمر سے یہ کہتے ہوئے کہ :-

ظہر قبلنا الناس یقرؤن

القرآن ویفقدون العباد

یرعون ان لا قدر - خیال کرتے ہیں کہ قدر تقدیر کا مسئلہ صحیح نہیں ہے۔

جس سے معلوم ہوا کہ قرآن پڑھنے اور جو علم قرآن تقسیم کر رہا تھا اس سے مستفید ہونے کے باوجود تقدیر کے یہ لوگ منکر تھے اتنی بات تو صحیح مسلم سے اجمالاً معلوم ہوئی، لیکن اس کی تفصیل کیا ہے؟ امام بخاری نے اپنے رسالہ "معلق افعال العباد" نامی میں قدریہ کے متعلق ایک روایت اپنی سند سے درج کی ہے جس میں سے کہ :-

## ایران کے مجوسیوں سے مسئلہ کا تعلق

شمغلہ نامی ایک بداعتقاد آدمی عباسی خلیفہ مہدی کے پاس لایا گیا، جس نے خلیفہ کے سامنے منجملہ دوسری باتوں کے بیان کیا تھا۔

القدری اذا غلاقالهما  
اشنان خالق خیر وخالق شر  
قدری جب غلو سے کام لیتا ہے تو کہنے لگتا ہے کہ یہاں  
دو مستقل قوتیں ہیں ایک خیر کا خالق اور ایک شر کا خالق۔

اسی سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ قدریہ یا معتزلہ جو یہ کہا کرتے تھے کہ آدمی کے برے اعمال کا مولیٰ اور خالق اور پیدا کرنے والا خدا نہیں بلکہ خود ان کاموں کا کرنے والا آدمی ہے تو یہ مسئلہ قدر کی ہلکی تعبیر تھی ورنہ درحقیقت یہ میں اس

کے وہی بات چھپی ہوئی تھی کہ خدا ہی شرکاء بھی خالق ہے اور خیر کا بھی خالق ہے، دین زردشتی کا یہی دراصل صحیح عقیدہ تھا، لیکن فلسفیانہ موثکافیوں نے بجائے ایک کے خیر کے لئے الگ خالق اور شرک کے لئے علیحدہ خالق کا عقیدہ ایرانیوں میں پیدا کر دیا مانا گیا کہ خیر اور بھلی چیزوں کے خالق کا یزدان اور شر یعنی بُری چیزوں کا خالق اہرمن ہے۔ ایرانیوں کا یہی غلط فلسفہ جو آخر میں ان کا دینی عقیدہ بن گیا تھا، پچ پوچھیے تو مسلمانوں میں پہنچ کر اسی غلط عقیدے نے مسئلہ قدر کی شکل اختیار کر لی تھی یہ تو ہوتی مسئلہ کی حقیقت۔ باقی مسلمانوں میں اس کو سب سے پہلے کس نے چھیڑا۔ صحیح مسلم کی مذکورہ بالا روایت میں اگر چہ بصرہ کے رہنے والے معبد جہنی کا نام لیا گیا ہے۔ لیکن امام بخاری نے اسی رسالہ خلق افعال العباد میں اس کا تذکرہ کرتے ہوئے کہ:-

المعتزلة فانهم اذ عوا ان  
فعل الله مخلوق وان افعال  
العباد غير مخلوق -  
معتزله مدعی ہیں کہ اللہ کا فعل تو مخلوق ہے اور  
بندوں کے افعال مخلوق نہیں ہیں۔ یعنی خدا کے  
پیدا کئے ہوئے نہیں ہیں۔

آگے خبر وہی ہے کہ:-

## سنسویہ ایرانی نے مسلمانوں میں اس مسئلہ کو چھیڑا

وهذا اخلاق علم المسلمين الاصل  
تعلق من البصرين بكلام سنسویہ  
كان مجوسيا فادعى الاسلام  
عام مسلمان جو کچھ جانتے ہیں اس کے یہ مخالف ہے،  
القبۃ بصرہ میں جن لوگوں نے سنسویہ کی بات مانی، یہ  
سنسویہ پہلے پارسی تھا، بعد کو اسلام کا مدعی ہوا۔



مقریزی نے بھی خطوط میں لکھا ہے کہ :-

اخذ معبد هذا الراي من رجل  
من الاساوره يقال له ابو يونس  
سنويہ ويعرف بالاسواري  
(صف ۱۸۱ ج ۲)

معبد جنہی نے دراصل اس عقیدہ کو سنویہ  
سے اخذ کیا تھا، جو اساورہ میں تھا سنویہ کی  
کنیت ابو یونس تھی اور الاسواری کی نسبت  
سے منسوب تھا۔

## سنویہ یزدگرد کے پاڈی گارڈ کا افسر تھا

الاسواری کا مطلب البلاذری میں دیکھئے لکھا ہے کہ ایران کے آخری  
بادشاہ یزدگرد کے خاص پاڈی گارڈ کے یہ ہوا۔ تھے سپاہ الاسواری ان کا کمانڈر  
تھا۔ اصطخریہ کی حفاظت کے لئے یزدگرد نے اس کو بھیجا اور وہاں سے حضرت  
ابو موسیٰ اشعری کے مقابلہ میں سوس پہنچا جہاں شکست فاش کھانے کے  
بعد صلح کی درخواست کی اور مسلمان ہو کر بصرہ میں معاہدہ کر کے الاسواری  
مقیم ہو گئے یہ سنویہ ان ہی الاسواریوں کا ایک آدمی تھا اور مسلمان ہونے  
کے بعد موسیٰ عقیدہ کے زیر اثر مسلمانوں میں قدر کے مسئلہ کو پھیلانے پہلی  
دفعہ ایک اعتقادی فرقہ کی بنیاد اسی کے ہاتھوں قائم ہو گئی امام بخاری ہی نے  
خواجہ حسن بھری کا قول معتزلہ کے متعلق نقل کیا ہے۔

لہ پرسی پولس یا تخت جمشید بھی اصطخریہ کو کہتے تھے ایرانیوں کا سب سے بڑا مقدس شہر تھا  
ابن حزم نے لکھا ہے کہ خدائے بامرہ جو ایرانیوں کی آسمانی کتاب کا نام تھا مدت تک اس کتاب  
کے پڑھنے پڑھانے کا حق صرف اصطخریہ کے موبدوں کو تھا گویا ایران کا وہ بنارس تھا ص ۱۳ ج ۱۔

## معتزلہ کو ایرانیوں نے ہلاک کیا

حوالہ حسن بصری کا قول

اهلكتهم العجبة (انفال العبادۃ) معتزلہ کو ایرانیوں نے ہلاک کر دیا۔

دیکھا آپ نے کھودنے کے بعد معتزلہ کی بنیاد کہاں ملی؟

اور کوئی شبہ نہیں کہ اسلام کی چند ابتدائی صدیوں میں کافی زور اس فرقہ کا رہا خصوصاً بعض عباسی حکمرانوں کی پشت پناہی میں بہت کچھ کھیل کھیلنے کا بھی موقعہ ان کو ملا لیکن وہ جو کچھ بھی ہوں قرآن کو مخلوق مانتے ہوں یا غیر مخلوق اتنی بات تو پہر حال ان کے اندر بھی جاگزیں تھی کہ یہ خدا کا کلام ہے اور "قول فیصل" ہونے کا قدرتی استحقاق قرآن ہی کو حاصل ہے ابتدا میں ان کو نہ محسوس ہوا ہو، کہ کس کو تابع اور کس کو مبتوع بنا رہے ہیں لیکن جیسے جیسے ایک نسل کے بعد دوسری نسلیں ان کی گذرتی رہیں وہ تنہا جاتے جاتے تھے تاہنگہ ایرانیوں کا موروثی دباؤ گھٹتے ہوئے اس مقام تک پہنچ گیا کہ اب ڈھونڈنے سے بھی معتزلہ کا پتہ مسلمانوں میں نہیں چلتا۔ ہمارے مورخین نے

لکھا ہے کہ:۔ علم کلام کی باگ

معتزلہ کے ہاتھوں میں دو سو سال رہی

کان علم الکلام بایدی المعتزلة  
علم کلام کی باگ معتزلہ کے ہاتھوں میں دو سو  
سال تک رہی یعنی پہلی صدی کے بعد تیسری صدی

ما بین سنة ما بین المائتا و

الثلاث ماثتہ کے اختتام تک۔

اس کے بعد تو معتزلہ کا جو حال ہوا، وہ اسی سے ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے کتب خانوں میں ڈھونڈنے والے برسوں سے ڈھونڈھ رہے ہیں کہ اس فرقہ کی کوئی کتاب کلام یا اصول فقہ وغیرہ جیسے علوم کے متعلق مل جاتی لیکن کامیابی نہیں ہو رہی ہے۔ کتاب تو کتاب شاید چند اوراق بھی نہیں مل سکتے اہل سنت والجماعت کی کتابوں میں معتزلہ کے آراء و نظریات کا تردیداً جو ذکر کیا گیا ہے کچھ تو ان سے ان کے خیالات کا اندازہ ہوتا ہے اور بعض کتابیں تفسیر یا لغت و ادب میں ان کی جو ملتی ہیں ان سے ان کے اعتقادی رجحانات کی سرخ رسانی میں تھوڑی بہت مدد ملتی ہے۔

کچھ بھی ہو میں یہی کہنا چاہتا ہوں کہ ایسے اختلافات جنہیں صحیح معنوں میں ہم اصولی اختلافات کہہ سکتے ہیں زیادہ تر ان کی پیدائش میں سیاسی اختلافات کو ہم دخیل پاتے ہیں، یا پھر باہر سے مسلمانوں کے اندر خیریں مختلف راہوں سے داخل ہوتی رہیں۔ خیالات پر وہ بھی اثر انداز ہوئیں ابتداء اسلام میں مختلف دینی قوموں کے افراد مسلمان ہو کر اسلامی دائرہ میں داخل ہو رہے تھے اپنے ساتھ اپنے آبائی عواطف و روٹی رجحانات کو بھی وہ لائے بجائے تصحیح صحیح کام لیتے۔ بعضوں نے تطبیق کا ارادہ کیا چاہا کہ خاندانی روایات و احساسات میں تھوڑی بہت ترمیم کر کے ان کو قرآنی نصوص کے مطابق بنا لیں یا قرآنی تعلیمات کو کھینچ کر اپنے آبائی خیالات پر منطبق کر کے دونوں ہی سے اپنا تعلق باقی رکھیں۔ کہہ کر

۱۰ کے معنی دین کی قدرتی کتاب کا انٹری ایڈیشن قرار دے کر تصحیح کا ۴

والے جان بوجھ کر ایسا کرتے تھے اس بدگمانی سے بچتے ہوئے زیادہ سے  
 زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ غیر شعوری طور پر اپنے آبائی مالوفات سے قطعی  
 بے گانگی ان کے لئے آسان بھی نہ تھی۔ بہر حال دانستہ ہو یا نادانستہ  
 مگر ہوا یہی کہ تاویل و تعبیر یا کھینچ تان کی اس نگوہیدہ و ناپسندیدہ کوشش  
 نے مسلمانوں میں ایسے خیالات پیدا کر دیئے جنہیں صحیح معنوں میں  
 نہ تو اسلامی تعلیمات ہی کا صحیح نتیجہ قرار دیا جاسکتا تھا اور سچ پوچھئے تو  
 ان کے موروثی عقائد بھی اپنے اصلی رنگ کو کھو کر نئے قالب میں جلوہ  
 گر ہوئے یہی قدر کا مسئلہ ہے۔ تاریخی شواہد کی روشنی میں آپ پڑھ  
 چکے کہ قدر یہ کا یہ نظریہ جو آج کل ہماری کتابوں میں مسلمانوں کے فرقہ  
 معتزلہ کی طرف منسوب ہے یعنی اپنے اختیاری اعمال و افعال کے  
 خالق خود بندے ہیں، خدا کی تخلیقی کار فرمائیوں کا ان سے کوئی تعلق  
 نہیں ہے۔ قدر کے اس عقیدے کی بنیاد تو ڈالی مسلمانوں میں ایک  
 پارسی تو مسلم سنسویہ نامی نے جو ایرانی فوج کے اسواروں سے تعلق رکھتا  
 تھا بات وہی تھی کہ کائنات میں شر یا برائی کا پہلو جن چیزوں میں پایا  
 جاتا ہے ایرانی ذہنیت قرنہا قرن سے عادی تھی کہ ان کی آفرینش  
 اور خلق سے حق تعالیٰ کی ذات کو پاک قرار دے۔ ساری برائیوں  
 کی پیدائش کا الزام اہرمن کے سر تھوپ دیا جاتا تھا۔ اس باب میں ایران  
 باشندوں کی حسی نزاکت اس درجہ تک ترقی کر کے پہنچ چکی تھی کہ "اہرمن"  
 کے لفظ لکھنے کی ضرورت ہوتی تو بیان کیا جاتا ہے کہ الٹ کر "مہرہرہا"

کی شکل میں اسے لکھتے تھے۔ مقصود اور مطلب یہی تھا کہ خدا جیسے وہ اہم مرد  
کہتے تھے اس کے دامن کو شرور اور پراہٹیوں کے انتساب سے پاک رکھا جائے  
گویا ان کے نزدیک خدا کی تقدیس و تسبیح کی شکل ہی یہ تھی کہ شرور اور پراہٹیوں  
کو اس کے دائرہ تخلیق سے خارج کر دیا جائے۔

اے دیکھو اسے بنوں آف بائبل ہسٹری بلیک ص ۲۰۳ ترجمہ اردو اس موقع پر بے ساختہ اپنے ایک  
مرحوم استاد غفر اللہ کہ کا خیال آرہا ہے مولانا نصیر احمد ان کا نام تھا وطن پھلت تھا ٹونک میں مدرسہ  
خلیلیہ کے صدر مدرس تھے، منطق و اصول فقر و غیرہ کی بعض ابتدائی کتابیں خاکسار نے ان سے  
پڑھی تھیں، ان کا دستور تھا کہ پوسٹ کارڈ یا لفافے پر پتہ بجائے سیدھے طریقے کے الٹ کر لکھتے  
کارڈ لفافے کی تصویر نیچے پڑجاتی، دریافت پر بولے کہ انگریزوں کی توہین و تحقیر کی ایک  
شکل یہ بھی ہے کہ اس کے بادشاہ کی منڈی کی تصویر اوندھی کر دی جائے۔ ۱۲۔

یہ یہاں تفصیل کا تو موقع نہیں ہے لیکن خیر و شر کے الفاظ تو بیشک جدا جدا ہیں مگر سوچنے  
کی بات یہ ہے کہ الفاظ سے ہٹ کر دیکھنا چاہیے کہ واقعہ کی نوعیت کیا ہے، حقیقت یہ  
ہے کہ ایک ہی چیز ہوتی ہے جو استعمال سے کبھی خیر کبھی شر بن جاتی ہے آگ ہی کو لیجئے کھانا  
پکانے روشنی حاصل کرنے کا کام اس سے لیا جائے تو بہترین شے ہے لیکن اسی آگ سے گھر  
بلا دئے جائیں کھتیا بھلسادی جائیں تو شر بن جاتی ہے ایسی صورت میں سمجھ میں نہیں آتا کہ ایران  
کے ارباب دانش نے ایک ہی مخلوق کے لئے دو خالق کے نظریہ کو بنایا کیسے استعمال کی صحت  
سے ہر بری شے بھلی بن جاتی ہے اور استعمالی غلطی سے بھلی چیز بھی بری بن جاتی ہے گویا اس  
لحاظ سے مشکل ہی سے ایسی کوئی چیز رہ جاتی ہے جو خدا کی مخلوق بننے کی مستحق ہو، تفصیل کے  
لئے میری کتاب الدين القيم کا مطالعہ کیا جائے۔ ۱۲۔

ظاہر ہے کہ خلقِ شکر کے متعلق جن کی ذہنی نزاکتوں کا یہ حال ہو قبولِ اسلام کے بعد اگر بندوں کے برے اعمال و افعال کا خالق بجائے خدا کے بندوں ہی کو وہ ٹھہراتے لگے اور برے اعمال و افعال کے بعد لازمی طور پر نیک اعمال کے شلق و آفرینش کو بھی بندوں ہی کی طرف منسوب کرنا ناگزیر تھا، یہی خلقِ افعال کا مسئلہ ہے جس کی اصطلاحی تعبیر قدر کے لفظ سے کی جاتی ہے۔ واقعہ یہ تھا کہ اختیاری اعمال و افعال کی ہزاروں کے قانون کی تصحیح کے لئے ناگزیر ہے کہ بندوں کو بھی ان کے افعال کی پیدائش میں اس حد تک دخل مانا جائے کہ فعل کی ذمہ داری کرنے والوں کے سرعاید ہو سکے۔

7 لیکن اسی کے ساتھ خالقِ قیوم کا اپنے کن فیکونی مخلوقات سے جو

سہ کن فیکونی مخلوقات کی اصطلاح کو سمجھنے کے لئے چاہیے کہ ہم میں ہر شخص خود اپنے اندر غور کرنے اپنے معلومات کو خیالی قوت سے ہم جو پیدا کرتے ہیں سوچے کہ اس وقت کیا ہوتا ہے دلی کی جامع مسجد کو آپ جانتے ہیں پلنگ پر لیٹے لیٹے خیالی قوت سے اپنے اسی معلوم یعنی جامع مسجد کو اپنے سامنے آپ کھڑی کر لیتے ہیں یہ آپ کی تخلیقی کارفرمائی ہے غور کیجئے کہ یہ خیالی جامع مسجد جو آپ کے ذہن کے سامنے کھڑی ہے صرف پیدا ہونے ہی میں آپ کے ارادے کی محتاج نہیں ہے بلکہ باقی رہنا اس کا یہ بھی آپ کی توجہ کے ساتھ وابستہ ہے اس کو کن فیکونی مخلوق کہتے ہیں کہ ارادے کے ساتھ آپ کا معلوم آپ کی مخلوق بن جاتا ہے اسی طرح زید جیسے آپ جانتے ہیں اور آپ کا معلوم ہے خیالی قوت سے اسی معلوم کو اپنی مخلوق بنا کر دیکھئے وہ اپنی پیدائش میں بھی بقا میں بھی آپ کے تخلیقِ ارادے کا محتاج نظر آئے گی آپ اٹھائیں گے تو اٹھے گا بٹھائیں گے تو بیٹھے گا روئیں گے تو روئے گا ہنسائیں گے تو ہنسے گا یہی مطلب ہے کہ کن فیکونی مخلوق ذاتاً

بقیہ اگلے صفحہ پر دیکھئے

تعلق ہوتا ہے، اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے عقل اس کو بھی تو سوچ نہیں سکتی کہ بندے جو خدا کی کن فیکونی مخلوقات ہیں، اپنے اعمال و افعال کی تخلیق و فریش میں کلیتہً "استقلالی اقتدار کے مالک ہیں بلکہ نصوص کا اقتضا بھی یہی ہے اور عقل بھی حقیقت سے آگاہ ہونے کے بعد اسی فیصلہ پر مجبور ہے کہ اپنے وجود میں صفات میں، بندے جیسے ہر لمحہ خالق تعالیٰ کی تخلیقی کار فرما ہونے کے دست نگر ہیں اسی طرح اعمال و افعال جو بندوں سے صادر ہوتے ہیں ان کی تخلیق و فریش کا تعلق بھی براہ راست خالق کائنات ہی کے مسلسل تخلیقی فیض اور ارادے کے ساتھ وابستہ تسلیم کیا جائے۔

الغرض بندوں کے اختیاری اعمال و افعال کی تخلیق میں خدا کے ساتھ کچھ نہ کچھ کسی نہ کسی حیثیت سے بندوں کو بھی دخل ہے واقعہ کی اصل حقیقت یہی ہے اور اسلامی وثائق میں نصوص جو پائے جاتے ہیں ان میں واقعہ کے دونوں پہلوؤں کی طرف اشارے کئے گئے ہیں مسئلہ کو اسی اجمالی رنگ میں لوگ مانتے چلے آ رہے تھے۔ لیکن یہی سنسویہ ایرانی پہلا آدمی تھا جس نے مسلمانوں میں بجائے اجمال کے چاہا کہ بندوں کے اعمال و افعال کے تخلیقی عمل سے خدائی ارادے کو قطعاً بے تعلق ٹھہرا دیا جائے اسی کے مقابلہ میں ایک دوسرے فرقہ اٹھ کھڑا ہوا جو جبر محض کے خیال کو مسلمانوں میں پھیلانے لگا حاصل جس کا وہی ہے کہ بندہ مجبور محض ہے نیک و بد اعمال جو بھی بندوں سے صادر ہوتے ہیں انکو براہ راست خدا پیدا کرتا ہے بندے کے ارادہ اور اختیار کو ان میں کسی قسم کا کوئی دخل نہیں ہے۔

دہرہ اصفاؤ و فعلاً اپنے خالق کے تخلیقی فیض کا ہر آن اور ہر لمحہ محتاج ہوتا ہے میری کتاب الدین الیقین میں مسئلہ کی تفصیل پر جیئے۔

## فرقہ جبریہ کا بانی جھم بن صفوان

کہتے ہیں کہ تابعین (یعنی صحابہ کے تعلیم یافتہ طبقہ ہی کے زمانہ میں جبر کے اس نظریہ سے مسلمانوں کو سب سے پہلے ایک شخص جہم نامی نے آشنا کیا تھا۔ اسی کی طرف منسوب ہو کر جہمیہ نامی فرقہ پیدا ہوا۔ اسلام کی ابتدائی صدیوں کو جہم اور جہمیہ کے چرچوں سے ہم معمور پاتے ہیں مگر جہم کون تھا کن لوگوں سے متاثر ہوا جبر کے سوا اور بھی کس کس قسم کے اعتقادی اختلافات کی مسلمانوں میں اس کی وجہ سے بنیاد پڑی یہی سننے کی بات ہے۔

## جہم ہندوستان کے فلاسفہ سے متاثر ہوا

واقعہ یہ ہے کہ ہندوستانی اجدادوں کا جو قافلہ بلخ ہوتا ہوا سمرقند جایا کرتا تھا، اس کو راستہ میں مشہور خراسانی شہر ترمذ کے قریب نویدہ نامی مقام پر دریائے زامل کو عبور کرنا پڑتا تھا جو جیحوں کا معاون دریا ہے یہ نویدہ ہمارے یاں کی تار جیحوں میں قرب مکانی کی وجہ سے معتبر ترمذ کے نام سے موسوم تھا یعنی ترمذ کی گزریا گھاٹ اس کو کہتے تھے اسی معتبر ترمذ پر محصول وصول کرنے والوں کی ایک چوکی بنی تھی، بنی امیہ کا زمانہ تھا۔ ہشام بن عبد الملک کی حکومت کے ایام میں معتبر ترمذ (نویدہ)

۱۰ ہشام بن عبد الملک پہلی صدی ہجری کے اختتام اور دوسری کی ابتدا یعنی ۷۵۰ء میں

بقیہ حاشیہ آگے



کی چوکی کا داروغہ جہم بن صفوان نامی ایک آدمی تھا حافظ ابن حجر نے لسان المیزان میں لکھا ہے کہ

کان جہم من موالی بنی ناسب (ص ۱۲۲ ج ۲) سے اس کا تعلق تھا۔  
نبی راسب عربی قبیلہ کے غلاموں کے خاندان

اب خواہ غلاموں کے جس خاندان سے بھی جہم کا تعلق تھا وہ آزاد ہو گیا یا آزاد نہ ہوا ہو، بہر حال تھا اس کا نسلی تعلق موالی ہی سے۔ اسی لئے صحیح طور پر یہ کہنا دشوار ہے کہ وہ عربی نژاد تھا بھی یا نہیں کچھ بھی ہو لکھنے والوں نے اسی کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ ابتدائی زندگی جہم کی کوفہ میں گزری تھی، فصیح عربی زبان بولتا تھا۔ فتح الباری میں حافظ نے نقل کیا ہے کہ:-

کان جہم من اهل الكوفة و جہم کوفہ کا رہنے والا تھا اور فصیح زبان  
کان فصیحاً (ص ۲۹۵ ج ۱۲) بولتا تھا۔

لیکن اسی کے ساتھ ایک سے زیادہ مورخوں کا بیان یہ بھی ہے کہ

لہٰذا یکن لہ علم ولا مجالسة اهل نہ خود علم والا تھا اور نہ اہل علم کی صحبت ہی العلم۔ فتح الباری (ص ۲۹۵ ج ۱۲) اسے میسر آئی تھی۔

گذری نشین ہوا۔ امام احمد بن حنبل کے حوالہ سے حافظ ابن حجر نے نقل کیا ہے کہ ہشام بن عبد الملک کے زمانہ کے دو ادین دستکاری کاغذات، میں جہم کا ذکر میں نے پایا، فتح الباری (ص ۲۹۹ ج ۱۲) اسی سے سمجھا جاتا ہے کہ ہشام کے عہد حکومت میں جہم دستکاری ملازم تھا کون کہہ سکتا ہے کہ اس کی ملازمت کا سلسلہ کب سے شروع ہوا تھا بہر حال پہلی صدی ہجری میں اس کا وجود یقینی ہے۔ ۱۲۔

اسی لئے چنگی کی چوکی کی معمولی ملازمت ہی اس کو مل سکی تھی، حافظ  
ہی نے لکھا ہے۔

کان علی معبر ترمذی ترمذ کی گزر پر اس کا تقرر ہوا تھا۔

جہم کے یہ تو مختصر ذاتی حالات تھے۔

اب شیعہ ذہبی نے اپنی کتاب العلوم میں یہ روایت نقل کی ہے کہ  
جس زمانہ میں جہم ترمذ کی گزر والی چوکی میں مقیم تھا،

فکلم المسنیہ فقاواصف لنا جہم کی سمینہ فرقوں سے بات چیت ہوئی

سبک الذی تعبد منہ ۱۳۰۰ سمینہ فرقہ والوں نے پوچھا کہ جس خدا کو تو

کتاب العلوم ضمیر غائتہ المقصود پوچھا ہے اس کے منقبات بیان کر۔

آپ نے سمجھا سمینہ کے اس لفظ سے کیا مراد ہے؟ جانتے والے  
جانتے ہیں کہ ہندوستان کے مذہبی فرقہ کی تعبیر مسلمانوں کے علم کلام کی  
کتابوں میں سمینہ کے لفظ سے کی جاتی ہے لہذا ہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ  
سومنات کی طرف منسوب کہہ کے مسلمانوں نے ان لوگوں کو سمینہ کہنا  
شروع کیا تھا واللہ اعلم بالصواب۔

عرض کر چکا ہوں کہ بلخ کے مسافر سمرقند جانے کے لئے ترمذ کے اس  
معبر نویدہ سے گزرتے تھے اور بلخ ہی وہ مقام تھا جو باب الہند سمجھا  
جاتا تھا، ہندوستان کے تاجر خراسان جانے کے لئے پہلے بلخ ہی پہنچتے

۱۱۔ یا حکم ہے کہ بدھ مذہب کے یہ علماء ہوں، ابوریحان بیرونی نے الآثار الباقیہ

میں لکھا ہے کہ خراسان واسے بدھ متی کے ماننے والوں کو "شمنان" کہتے تھے ۱۲۔

تھے بلخ میں باب الہند کے نام سے اسی لئے ایک مستقل دروازہ تھا لہ  
 بہر حال کہنا یہ ہے کہ ہندوستان کے تاجروں ہی کی طرف سے جہم  
 بن صفوان کے دل میں پہلی دفعہ یہ سوال ڈالا گیا۔ اس وقت تک مسلمانوں  
 کا حال یہ تھا کہ قرآن پڑھتے تھے۔ اس میں خدا کے متعلق یہ بھی تھا  
 کہ الرحمن عرش پر مستوی ہے اور اسی کے ساتھ یہ بھی اسی قرآن  
 ہی میں موجود ہے کہ وہی ہر شے کو محیط ہے، وہی ہر ایک کے ساتھ ہے  
 وہ جبل الوردیہ (گردن کی شہرگ)، سے بھی زیادہ قریب ہے، وہی  
 اول ہے، وہی آخر ہے۔ وہی ظاہر ہے۔ وہی باطن ہے۔ وہی آسمانوں  
 اور زمینوں کا نور ہے۔ یہ الغرض مسلمان عرش والی آیت کو بھی پڑھتے  
 تھے۔ اور دوسری آیتیں بھی پر ابران کی تلاوت میں گذرتی رہتی تھیں  
 ان کے ایمان میں دونوں ہی کی گنجائش تھی حقیقت بھی ان ہی اجمالی تعبیروں  
 میں پوشیدہ تھی کچھ یہ بھی کچھ وہ بھی، ٹھیک جیسے خلق افعال کے  
 قصے میں کچھ یہ بھی صحیح کچھ وہ بھی صحیح یہی واقعیت کی صحیح ترجمانی ہے۔

۱۔ جغرافیائی معلومات کے لئے جی۔ لی۔ اسٹریٹج کی کتاب "جغرافیہ خلافت مشرقی" کا

مطالعہ کرنا چاہیے۔ جس کا ترجمہ اردو دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ نے شائع کیا ہے۔ ۱۲۔

۲۔ خلیفۃ اللہ یعنی انسان خود اپنے اندر دیکھتا ہے کہ اس کی روح بدن کے کسی حصہ سے غائب

نہیں ہوتی ہر ایک پر شاہد و حاضر ہے تاہم قلب کے ساتھ روح کا خاص استوائی تعلق ہی ایسا

تعلق کہ سارے بدنی نظام کا کاروبار اسی سے چل رہا ہے قلب سے روح کا استوائی تعلق

جس وقت ختم ہو جاتا ہے بدن کے سارے اجزا منتشر اور پراگندہ ہو جاتے ہیں۔

لیکن جہم جو نہ خود علم سے بہرہ رکھتا تھا اور نہ علماء کی صحبتوں سے مستفید ہونے کا موقع اس کو ملا تھا اچانک "ہندی فلسفہ" کی لا حاصل موشگافیوں سے اس کا دماغ دوچار ہوا، لکھا ہے کہ سوال کے بعد

فدخل البيت لا يخرج مادة جہم کو ٹھہری میں گھس گیا اور زمانہ تک

د فتح الباری ص ۲۹۵ ج ۱۲ - باہر نہ نکلا -

یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ چالیس دن تک مہبوت رہا جن میں نماز بھی اس نے نہ پڑھی، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سمینہ دہندی تاجروں نے صرف سوال ہی کر کے چھوڑ نہیں دیا تھا بلکہ سوال و جواب کا سلسلہ بھی دونوں طرف سے جاری رہا۔

امام بخاری نے اپنی کتاب "انفال العباد" میں جو روایت اسی سلسلہ میں درج کی ہے۔ اس کے ان الفاظ سے یعنی -

فخاصمه بعض السمينة فشك جہم سے سمینہ فرقہ کے بعض لوگوں نے مباحثہ

فاقام اربعين يوما لا يبلى کیا، پس جہم شک میں مبتلا ہو گیا اور چالیس

دن ایسے گزارے جن میں نماز نہ پڑھی۔

ان سے تو صراحتاً معلوم ہوتا ہے کہ جہم اور سمینہ میں کافی گفتگو ہوئی اس کے بعد دیکھا گیا کہ لوگوں کے سامنے اپنے عقیدے کا اظہار حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کے متعلق یہی جہم ان الفاظ میں کر رہا ہے کہ

هو هذا الهواء مع كل شئ و وہ خدا، یہی ہوا ہے ہر چیز کے ساتھ

في كل شئ ولا يخالو منه شئ ہر چیز میں اور اس سے (خدا) سے

کوئی چیز خالی نہیں،

ص ۲۹۵ ج ۱۲ فتح الباری

## غلط وحدت الوجود کا تخم اول

اور یہی تھا اس غلط وحدت الوجود کا تخم اول جسے مسلمان صوفیوں کے بعض طبقات میں غیر معمولی ہر دل عزیز می حاصل ہوئی۔ مسئلہ کی ابتدائی تعبیر ایک سادہ دل، غیر علمی آدمی کی یہی ہو سکتی تھی، عرش پر الرحمن کا استواء جو قرآن کا منصوص مسئلہ تھا۔ اس کا مضحکہ اڑایا گیا اور اجمال جو مسئلہ کی روح تھی جہم نے چاہا کہ مسلمانوں کو اس سے ہٹا دے اس کے مقابلہ میں ایک طبقہ پیدا ہوا جو عرش والی نص کو اصل قرار دے کر قرآن ہی کے دوسرے بنیات جن میں احاطہ معیت، قرب اقر بیت اولیت و آخریت ظاہریت و باطنیت کا صراحتہ ذکر کیا گیا ہے ان سب کی اللہ کے بندوں نے تاویل کی۔ ابہام و اجمال کی قدر و قیمت کم ہو گئی دو مستقل فرقے عرشوں اور فرشتوں کے پیدا ہو گئے۔

ان عرشوں اور فرشتوں کا قصہ اتنا دراز ہے جس کے لئے اس مختصر سے مضمون میں بھلا کیا گنجائش پیدا ہو سکتی ہے۔

لے امام بخاری نے اپنی کتاب خلق افعال العباد میں ایک روایت درج کی ہے جس میں راوی نے بیان کیا ہے کہ قرآن کی سورہ طہ کی آیت الرحمن علی العرش استوی کا ذکر کرتے ہوئے جہم ایک دن بولا کہ کاش میرے بس کی بات ہوتی تو اس آیت کو قرآن سے پھیل کر نکال دینا صاف فرشتوں کی اس جبرمانہ آرزو کے مقابلہ میں منہ سے تو کہتے ہوئے نہیں سنا

میں تو اس وقت صرف یہ بتانا چاہتا تھا کہ سیاسی خرنشوں کے بعد  
 جتنے اصولی اختلافات بھی مسلمانوں میں پیدا ہوئے۔ اگر سرانجام لگایا  
 جائے تو پتہ چلے گا کہ ان کا رشتہ براہ راست اسلام سے نہیں بلکہ اسلامی  
 دائرے کے بیرونی قصوں سے ہے یہی جہم تھا، جس نے خدا کو ہوا  
 کھراتے ہوئے ہر چیز میں ہر چیز کے ساتھ بتاتے ہوئے دعویٰ  
 کیا کہ کوئی چیز اس سے خالی نہیں با این ہمہ وہ اس تنزیہی عقیدے  
 کا بھی داعی تھا کہ۔

لا اصفہ بوصف یجوتی اطلاقاً  
 ہر ایسی صفت جس کا انتساب غیر خدا کی طرف ہوتا  
 علی غیرہ۔  
 ہوا ہم خدا کی طرف اس صفت کو منسوب نہیں  
 کر سکتے۔ (ص ۲۹۴ فتح الباری ج ۱۲)

اسی لئے خدا کو حی (زندہ)، عالم (دانا)، مرید (ارادہ کرنے والا) کہتے ہیں  
 وہ سنتا ہے، دیکھتا ہے، ان باتوں کے انتساب کو وہ ناجائز قرار دیتا تھا  
 مشہور ہے کہ امام ابو حنیفہ نے جہم کی تنزیہی تعلیم کو سن کر کہا تھا کہ مال اس  
 کا یہی ہے کہ خدا کو یا کچھ نہیں ہے، معدوم ہے واقعہ یہاں بھی وہی تھا کہ  
 لیس مکتبہ شیء کی بنیاد پر خدائی صفات کو مخلوقات کے صفات پر

لے ہے لیکن عرشوں کے دل میں بھی قرب احاطہ معیت اقریبیت اولیت آخرت ظاہریت باطنیت  
 والی آیتوں کے متعلق کچھ اسی قسم کے تمنائی بھپارے اضطرا اگر اٹھے ہوں تو اس پر تعجب نہ ہونا چاہیے  
 آخر عرش کے استواء والی ایک آیت کو اصل قرار دے کر قرآن کی بیسیوں آیتوں کے ساتھ تاویل بلکہ  
 شاید تحریف تک کی جرأت کیا معنوی جرأت ہے ۱۲۔

قیاس کرنا صحیح نہ ہوگا لیکن قرآن میں خدا کی طرف جن صفات کا انتساب کیا گیا ہے ان کا کلیتہً انکار کیسے کیا جاسکتا ہے پھر اس کے اس تنزیہی ادعا نے کلام کے مسئلہ کو پیدا کیا کہتا تھا کہ کلام تو مخلوق کی صفت ہے خدا اس سے کیسے موصوف ہو سکتا ہے۔

بہر حال جہم پہلا آدمی تھا جس نے خدا کی صفت کلام کا انکار کر کے قرآن کو بجائے کلام اللہ کے مخلوق اللہ کہنے کا مشورہ مسلمانوں کو دیا قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق ہے اس مسئلہ کے تاریخی تفصیلات سے لوگ عموماً واقف ہیں، ابتدائی بنیاد اس کی جہم ہی نے رکھی تھی۔

ارباب صدق و صفا، اخلاص و وفا کو اس راہ میں جن شداؤں و مصائب سے گزرنا پڑا، خصوصاً سراج الامت سیدنا حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے جس بے جگری اور پامردی کے ساتھ اس فتنہ کا مقابلہ کیا اسلامی تاریخ کے اوراق میں سنہرے حروف میں یہ داستان آج تک لکھی ہوئی ہے۔

## مسئلہ انما الحق کی بنیاد

اسی طرح انسانی وجود کا شعوری نقطہ یا ذات کا احساس عربی

لے اس موقع پر یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ ٹھیک ان ہی دنوں میں ہمارے وطن ہندوستان میں یہ مسئلہ مذہبی دائرے میں پھڑا ہوا تھا کہ دید کے "شبد یعنی کلام قدیم ہے یا حادثہ میانسا والے قدیم مانتے تھے۔

نیاٹے واسے حادثہ، دیکھو قرون وسطیٰ میں ہندوستان۔

میں جسے "انا" فارسی میں "من" اور ہم ہندوستان والے "میں" کے لفظ کا اطلاق جس پر کرتے ہیں ظاہر ہے کہ جیسے دنیا کی ہر چیز "شئی" ہے "شئی" کے نیچے ہمارے وجود کا یہ شعوری نقطہ بھی داخل ہے۔ ایسی صورت میں یہ بات کہ کسی شے سے خدا غائب نہیں ہے بلکہ قرآنی الفاظ میں۔

وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ اور اللہ ہر چیز پر شاہد (حاضر) ہے

کا کھلا ہوا اقتضا یہی ہے کہ جب ہمارے وجود کا یہ شعوری نقطہ "انا" بھی شے ہے تو حق تعالیٰ کا "انا" کے لئے شہید و حاضر ہونا، قرآن ہی کی سکھائی ہوئی بات ہے، یہی منوایا گیا تھا اسی کو مسلمان مانتے چلے آتے تھے ایک جہاں ان پڑھ مسلمان بھی اپنے آپ کو مثلاً کسی مصیبت میں جب مبتلا پاتا ہے تو دل ہی دل میں وہ اسی "علیٰ کلّ شئیٰ شہید" ہستی کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور اندر ہی اندر سوال و جواب کا سلسلہ بھی شروع کر دیتا ہے یہ روزمرہ کے تجربہ کی بات ہے، ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کے شعور کو اپنے "انا" میں اگر وہ نہیں پاتا تو اضطراب یہ حرکت اس سے کبھی سرزد نہ ہوتی بلکہ شاید اس احساس و شعور کے لئے تو مسلمان ہونا بھی ضروری نہیں بظاہر آدمی کا یہ فطری احساس معلوم ہوتا ہے۔ بہر حال نظر کے سامنے نور ہو اور نور کا شعور نظر کو نہ ہو۔ شنوائی کی قوت تک آواز پہنچ جائے اور آواز کو شنوائی کی قوت محسوس نہ کرے جیسے یہ نہیں ہو سکتا، اسی طرح انسانی وجود کا وہ حصہ جو "مطلق شعور" اور



شعور ہی شعور ہے۔ جب حق تعالیٰ اس سے غائب نہیں ہیں بلکہ اس شعوری نقطہ پر بھی وہ شاہد اور حاضر ہیں تو "انا" کے لئے ذاتِ حق کا شعور ظاہر ہے کہ ایک بدیہی بات ہے لیکن اس سے نہ آدمی کا "انا" "حق" بن جاتا ہے اور نہ کسی طرح یہ سمجھنا درست ہو سکتا ہے کہ

## انا الحق والحق حسین بن منصور کا ہندوستان سے رشتہ

حق انا ہے کیا بینائی نور ہے یا شنوائی کی قوت آواز ہے، بات بالکل واضح اور کھلی ہوئی تھی لیکن جانتے ہیں سب سے پہلے "انا الحق" کا نعرہ مسلمانوں میں جس نے لگایا یعنی حسین بن منصور جو عوام میں منصور ہی کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں جانتے ہیں کہ اس منصور ہی دعویٰ کے مدعی حسین بن منصور کون تھے ؟ -

الخطیب اپنی تاریخ بغداد میں اطلاع دیتے ہیں کہ -

کان جده مجوسیا اسمہ مہمی حسین بن منصور کا دادا مجوسی تھا نام اس کا مہمی  
من اهل بیضاء قارسى ص ۱۲ ج ۸ - تھا ایران کے شہر بیضا کا رہنے والا تھا۔

اور صرف یہی نہیں خطیب نے حسین بن منصور کے صاحبزادے احمد نامی کے حوالہ سے ایک طویل روایت نقل کی ہے جس میں یہ خبر بھی دی گئی ہے کہ ان کے والد حسین بن منصور نے -

قعد الی الہند ص ۱۳ ہندوستان کا ارادہ کیا۔

لکھا ہے کہ ہندوستان سے پھر ماوراء النہر ترکستان اور چین بھی

گئے تھے یہ بھی اسی روایت میں ہے کہ

لما رجع کا نو ایک بتونہ من لوگ ہندوستان سے خزاو کا بت بھی حسین بن منصور  
الہند ص ۱۱۳ (اسکے والد سے کرتے تھے۔)

اور یہ روایت تو حسین بن منصور کے صاحبزادے کی ہے، اسی زمانہ  
میں عباسی خلیفہ معتضد باللہ نے علی بن احمد الحاسب کو ہندوستان جانے  
کا حکم دیا تھا علی بن احمد کے الفاظ ہیں کہ۔

وجہتی المعتضد الی الہند ہندوستان کے متعلق چند خاص امور کے دریافت کرنے  
لاموسر تعرفها لیقف علیہا کے لئے معتضد نے مجھے ہند روانہ کیا، خلیفہ خود ان  
امور سے آگاہی حاصل کرنا چاہتا تھا۔ (ص ۱۲ ج ۸)

علی الحاسب کا بیان ہے کہ جس جہاز پر سوار ہو کر ہم ہندوستان کی طرف  
روانہ ہوئے تو دیکھا کہ اسی جہاز میں ایک شخص حسین بن منصور بھی سوار ہے ملنے  
جلنے بات چیت کرنے میں بہت اچھا آدمی تھا۔ جب ہم ہندوستان  
کے ساحل پر پہنچے اور قلیوں نے جہاز سے سامان اتارنا شروع کیا تب میں  
نے حسین سے پوچھا کہ۔

ایش جئت ہا ہنا تم کس ضرورت سے یہاں ہندوستان آئے ہو۔  
جواب میں علی الحاسب کی روایت ہے کہ حسین نے کہا کہ میں ہندوستان  
کے لوگوں سے سحر سیکھنا چاہتا ہوں۔

شاید اسی جہاز میں المزین نامی آدمی بھی تھا اس نے بھی حسین کو ہندوستان

لے المزین حجام تھا یا حجاموں کو ذریعہ اس زمانہ میں جو کہتے تھے اس لئے المزین کے ناک سے موسوم ہوا اللہ اعلم

کے ساحل پر اترتے دیکھا تھا اور اس سے بھی حسین نے کہا تھا کہ میں یہاں کے لوگوں سے سحر سیکھنا چاہتا ہوں۔ واللہ اعلم سحر کے لفظ سے مراد کیا تھی بظاہر ”یوگا“ یا جوگ جو اس ملک کے باشندوں کا خاص فن تھا اسی کا سیکھنا مقصود ہو۔ علی الحاسب کی روایت میں ہے کہ ساحل پر اترنے کے بعد میں نے دیکھا کہ دریا کے کنارے ایک کٹیا بنی ہوئی ہے اس میں ایک بوڑھا آدمی نظر آیا، حسین اسی بوڑھے کی کٹیا میں چلا گیا اور سحر کے متعلق باتیں دریافت کرنی شروع کیں۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ کسی جوگی ہی سے اس کی ملاقات ہوئی تھی خود حسین کی زندگی کے تفصیلات اس کتاب میں جو پائے جاتے ہیں ان سے بھی پتہ چلتا ہے کہ حسین کی زندگی مدتوں جوگیوں ہی کی زندگی رہی۔

بہر حال اس وقت نہ مجھے حسین بن منصور کی شخصیت سے بحث ہے اور نہ ان کے مسئلہ ”انا الحق“ سے بلکہ کہنا چاہتا ہوں کہ ایک سیدھی سادی بات کو مسلمانوں کی تاریخ میں غیر معمولی اہمیت جو حاصل ہو گئی عموماً یہ کیفیت بیرونی موثرات ہی نے پیدا کی ہے ایسے مسائل جن میں مختلف پہلوؤں کی گنجائش ہو۔ اور کچھ یہ بھی صحیح اور وہ بھی صحیح ہو ”بجائے کچھ کے ایک ہی پہلو پر زور دینے کا آخری نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ اصل حقیقت نگاہوں سے اوجھل ہو جاتی ہے اور آدمی مغالطہ کا شکار ہو جاتا ہے درحقیقت

لے شکر چاریہ جو ساتویں صدی عیسوی یعنی ظہور اسلام کے بعد ہندوستانی مشہور ریفا مر ہیں ان کا نظریہ تھا کہ

آتما اور پرما میں دوئی نہیں ہے صدیوں وسطی میں ہندوستانی تہذیب۔

یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے یہ نہیں ہے کہ قرآن کو نہیں مانا تھا اور قرآن کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لائے تھے لیکن انہوں نے پیغمبر قرآن کے ساتھ تعلیمی نسبت تزکیہ سے پہلے قائم کر لی۔ حالانکہ قرآن ہی میں کہہ دیا گیا تھا کہ قرآن کی پیغمبر آیتیں تلاوت کرتے ہیں پھر مانتے والوں کے اندر کی غلطیوں کو صاف کرتے ہیں تب تعلیم دیتے ہیں بلکہ مسلمانوں کی مکمل نہیں ہوتی تھی انہوں نے قرآنی تعلیمات سے استفادہ کا ارادہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جو کچھ پہلے سے ان کے پاس تھا کچھ تبدیلی اس میں ضرور ہوتی لیکن قرآنی تعلیمات بھی اپنے صحیح خط و خال کے ساتھ ان میں، جاگزیں نہ ہو سکے ان کا طریقہ عمل غیر فطری تھا جس کا لازمی نتیجہ یہی ہو سکتا تھا جو ہوا۔

بہر حال اصولی اور بنیادی اختلافات جن کی وجہ سے مسلمانوں کے کسی دینی فرقہ نے اپنی دینی زندگی اور اس کے نتائج کو دوسرے مسلمانوں کی دینی زندگی اور اس کے نتائج سے الگ کر لیا ہو تفرق اور شقاق بعید کے اس حال کی پیدائش میں ممکن ہے، ڈھونڈنے والوں کو دوسرے اسباب کا بھی سراغ مل جائے لیکن عام حالات میں کم از کم میرا خیال یہی ہے اور اپنے محدود مطالعہ سے اسی نتیجہ تک پہنچا ہوں کہ اندرونی اسباب میں تو زیادہ اثر ان سیاسی اختلافات کا پڑا ہے، جن پر ابتداء

لَهُ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ مشہور قرآنی آیت

کا یہی اقتضا ہے۔

اسلام کے خاص پیدا کردہ ماحول کی وجہ سے مذہب اور دین کا رنگ چڑھا دیا جاتا تھا۔ کھیلنے والے دراصل سیاسی کھیل کھیلنا چاہتے تھے لیکن اپنے کھیل میں اس وقت تک وہ کامیاب نہیں ہو سکتے تھے جب تک کہ مذہب کا زیادہ اوپر سے سیاسی اغراض پر اڑھانہ دیا جاتا۔

اسی طرح بیرونی اسباب میں سب سے زیادہ نمایاں سبب وہی نظر آتا ہے کہ ادہام و اغلاط جن میں قبل الاسلام کے ادیان کت پت تھے اور ان ہی سے پاک کرنے کے لئے خالق کائنات نے اپنے بندوں میں آخری رسول کو اٹھایا تھا، قرآن کے اتارے کا بڑا مقصد ہی یہ تھا کہ انسانی زندگی کا قدرتی آئین جن آسمانی کتابوں کے ذریعہ سے انسانی گھرانوں میں وقتاً فوقتاً نافذ ہوتا رہتا تھا ان کتابوں میں من مانے خیالات شریک کر دیئے گئے تھے۔ اپنے پیدا کرنے والے خالق کی خالص مرضی کے مطابق جی کہ جو مرنا چاہتے تھے۔ ان کے لئے تسلی اور تسکین کا کوئی قابل اعتبار ذریعہ دنیا میں کسی قوم اور ملک میں آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر باقی نہ رہا تھا بطور آخری ادیشن کے قرآن نازل کیا گیا تاکہ اپنے موروثی ادیان اور آبائی مذاہب کی مشکوک کتابوں کو قرآن پر پیش کر کے کے شک سے نکل کر یقین کی ٹھنڈی روشنی میں لوگ آجائیں۔

داخل ہونے والے اسلام میں عموماً داخل بھی اسی لئے ہوئے تھے لیکن ان میں سب کا حال ایک جیسا نہیں تھا، عزم میں جن کے خامی تھی، تو صلے جن کے زیادہ بلند نہ تھے اپنے موروثی مالوفات کے انس

والفنت کے ازالہ پر جیسا کہ چاہیے تھا قادر نہ ہو سکے جس کی تطہیر و تزکیہ کی اس راہ میں بہر حال ضرورت تھی۔ اسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ شعوری اور زیادہ تر غیر شعوری طور پر آپائی اوہام و غلط اور اسلامی تعلیمات میں تطبیق و توفیق کی نگرانیہ کوششوں میں وہ مشغول ہو گئے اسی نامبارک سعی اور غلط اقدام نے عجیب و غریب نظریات و خیالات کو مسلمانوں میں پھیلا کر مختلف ٹولپوں میں ان کو بانٹ دیا تھا، دین اسلامی کی تاریخ کا یہ بڑا مبسوط مضمون ہے۔ تاہم بقدر ضرورت اس سلسلہ میں جو کچھ پیش کیا جا چکا ہے۔ اگر پڑھنے والوں نے توجہ سے اس کو پڑھ لیا ہے تو شاید وہ بھی اسی نتیجہ تک پہنچ چکے ہوں گے جس نتیجہ تک مطالعہ اور جستجو نے مجھے پہنچایا ہے۔

اس کے بعد خود سوچنا چاہیے کہ سیاسی جوڑ توڑ کے لئے مذہبی سو انگ اختیار کرنے والوں نے جن فرقوں کو مسلمانوں میں پیدا کر دیا تھا ان کا جو انجام ہوا، اس کے سوا دوسرا انجام ان کا آخری ہو ہی کیا سکتا تھا یہ سیاسی قصے زمانہ کی رفتار کے ساتھ بدلنے رہتے ہیں۔ میدان میں ایک پارٹی آتی ہے، کھیلتی ہے ہنگامے مچاتی ہے اور غائب ہو جاتی ہے۔ انسانیت کی تاریخ سیاسی بازی گریوں کے ان تماثلوں سے بھری ہوئی ہے، مسلمانوں کی تاریخ میں بھی یہی کھیل کھیلے گئے ہیں۔ اسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ سیاسی شاطروں کے ساتھ شطرنج کی وہ بساط بھی الٹی چلی گئی جو وقتاً فوقتاً بچھتی رہی اور ان کے ساتھ وہ فرقے بھی ختم ہوتے چلے گئے جو پیداوار

ہی تھے ایک ایسے زمانہ کے سیاسی ہنگاموں کی جس میں مذہب کی چھاپ کے بغیر کوئی چیز چل ہی نہیں سکتی تھی۔ آخر آج ان ازراقتہ کو ہم کہاں ڈھونڈیں، جو کہتے پھرتے تھے کہ

## بعض دلچسپ سیاسی نظریے

کہ دینی نصب العین اور "اقامتِ حق" کی جو مہم ہم لوگوں نے اٹھائی ہے اس میں جو شریک نہ ہو گا خواہ ہمارے دشمنوں کی مدد بھی نہ کر لے تا طرف دار ہی رہے لیکن وہ بھی اسلامی دین کے دائرے سے خارج ہو گیا اور اپنا ٹھکانہ اس نے جہنم کو بنا لیا۔

ازراقتہ کا لیڈر ابن ازرق پہلا آدمی تھا جس نے

انت کفرا القعدة وهو،

ان لوگوں کو کافر قرار دیا جنہوں نے اس کی سیاسی کش

اول ما اظہر البراة من

مکش میں بجائے ساتھ دینے کے بیٹھے رہے اور ان

القعدة علی القتال ان

لوگوں سے بھی علیحدگی کا اس نے اعلان کیا جو مخالفوں

کان موافقا علی دینہ

سے جنگ کرنے میں اس کے ساتھ نہ اٹھے، خواہ دین کے

وکفر من لمریہا جبرالیہ

دوسرے معاملات میں وہ ان کے ہمزما ہی کیوں نہ ہوں

۱۲۹

ازراقتہ یہ بھی کہتے تھے کہ ہجرت کر کے جو ان کے ساتھ آکر

رشدیاتی جا

نہ ملا ایسا مسلمان کافر ہو گیا۔

یہی ان کا سیاسی کہنے یا دینی عقیدہ تھا۔

یا ان عزیزب "بجذات عاذریہ" کا سراغ دنیا کے کس گوشہ میں لگایا

جاسکتا ہے جو گویا مسلمانوں کے نہایت تھے اور کہتے پھرتے تھے کہ :-

لا حاجة للناس الى الامام  
قط انما عليهم ان يتناصفوا  
فیما بینہم من ۱۳۲ ج ۱ ش  
امام (یعنی کسی منظم حکومت) کی کوئی ضرورت نہیں  
ہے لوگوں پر صرف یہ فرض ہے کہ آپس کے معاملات  
کو انصاف کے ساتھ خود چکایا کریں۔

جہاں اس فرقہ کا لیڈر نجدہ بن عامر گیا وہیں یہ سیاسی عقیدہ بھی  
دفن ہو گیا جس پر وہی اعتقاد کا خون اوپر سے مڑھ دیا گیا تھا۔  
بتایا جائے کہ مسلمان بادشاہوں اور ائمہ کے مقابلہ میں جنہوں نے یہ  
فیصلہ کر کے اسی کو اپنا دین بتایا تھا کہ :-

”ہم بادشاہوں اور صرف ان مسلمانوں کے قتل کو مذہبی فرض  
خیال کرتے ہیں، جو ان حکمرانوں کے حامی اور مددگار ہیں اور  
ان کے احکام کو تسلیم کرتے ہیں، لیکن جو حکمرانوں پر اعتراض  
کرتے ہیں اور ان سے راضی نہیں ہیں، ان مسلمانوں کو ہم قتل  
نہیں کریں گے، ہاں ان حکومتوں کی طرف سے جاسوسی  
کا کام جو انجام دیں گے ہم ان کو بھی تلوار کے حوالہ کر دیں  
گے“ ص ۱۳۲ ج ۱ شہرستانی۔

میمونہ فرقہ جس کا قائد میمون بن خالد تھا اس کا یہی عقیدہ تھا لیکن  
نہ اب میمون ہی دنیا میں زندہ رہے اور نہ بے چارے میمونہ، عرب کے  
یابان میں اپنے لیڈر کے ساتھ وہ بھی کم ہو گئے۔

عبداللہ بن ایاض جس کا دشمنی تھا کہ



قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے والوں میں جو ہمارے مخالف ہیں، ہم ان کو مشرک تو نہیں سمجھتے، لیکن چونکہ ہمارے مخالف ہیں اس لئے کافر قرار دے کر ان کے مال کو مالِ غنیمت ہم بنا سکتے ہیں اور ان کے ہتھیار اور گھوڑے چھین لیں گے، اگرچہ اسی کے ساتھ ان کی عورتوں کے ساتھ نکاح بھی جائز ہے اور ان کے مال کے ہم وارث بھی بن سکتے ہیں۔“

مسلمانوں کے نام ممالک کے متعلق ان کا خیال تھا کہ دارالاسلام تو نہیں لیکن دارالتوجید ان کو کہنا چاہیے لیکن حکومت کی فوجی چھاؤنیاں جن علاقوں میں قائم ہیں وہ دارالتوجید بھی نہیں ہیں۔ بلکہ دارالتقی ہیں۔“ ص ۱۲۱۔

بتایا جائے کہ اسی ابن ایاض کی طرف منسوب کردہ ”ایاضیہ“ نامی جس فرقہ کا ذکر کیا جاتا ہے کتابوں کے سوا سطح زمین پر کہاں مل سکتا ہے اسی طرح حالات نے اسلام کی ابتدائی صدیوں ہی میں اس قسم کے خیال کے لوگوں کو جو پیدا کر دیا تھا، جنہوں نے دنیا کو دو حصوں میں بانٹا تھا جہاں اسلامی احکام کا اعلان و اظہار کھلے بندوں بے روک ٹوک جاری ہو، ان علاقوں کا نام ان کی اصطلاح میں ”دارالعلانیہ“ تھا اور جہاں مسلمانوں کو اس قسم کی آزادی حاصل نہ ہو اس کا نام انہوں نے ”دارالتقیہ“ رکھا تھا اس تقسیم کے ساتھ یہ اس کے بھی قائل تھے کہ۔

”وارالتقیہ میں مسلمان عورتوں کا نکاح اپنی قوم کے ان افراد کے ساتھ جائز ہے۔ جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا مگر دارالعلانیہ میں اسکی اجازت نہیں دی جاسکتی“ ص ۱۲۳ ج ۱ اش ۱۔

اور ان باتوں کی تفصیل کہاں تک کی جائے حد یہ ہے کہ اس قسم کے روشن خیال بھی ان ہی سیاسی چکر وں سے مسلمانوں میں پیدا ہو چکے تھے جو کہتے تھے کہ :-

اسلام کے دینی اصطلاحات کی شرح مصدحت و وقت کے مطابق کرنے کا ہمیں اختیار ہے ہو سکتا ہے کہ ہم کعبہ کے حج کی تشریح کرتے ہوئے یہ کہیں کہ کعبہ عرب میں نہیں ہے بلکہ لعابہ یا لہند بلکہ ہو سکتا ہے کہ ہندوستان میں ہو“

ص ۱۲۴ ج ۱ شہرستانی۔

تشریح کے ان اطلاقی اختیارات کے ساتھ مسلمان صرف وہ اپنے آپ ہی کو سمجھتے تھے یہ دعویٰ ”عسائیوں“ کا تھا جن کا لیڈر عسان الکوفی تھا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ خوارج جن کے متعلق سنا جاتا ہے کہ اب بھی ان کی تھوڑی بہت تعداد عرب کے بعض ساحلی علاقوں (مسقط عمان، وغیرہ میں پائی جاتی ہے اور مغرب اقصیٰ و مراکش وغیرہ) کے کوہستانی خطوں میں کیاتوں کا بیان ہے کہ قدیم خارجیوں کے نام لیواؤں سے ان کی ملاقات ہوتی تھی، انہیں کہا جاسکتا کہ درافتادہ گوشوں میں واقعی ان خارجیوں کی صحیح تعداد کیا ہے کچھ بھی ہو لیکن چند لاکھ تک بھی ان کی گنتی

اگر پہنچ جائے تو شاید اس سے زیادہ تخمینہ ان کا کیا بھی نہیں جاسکتا۔  
چند لاکھ خوارج کے بعد ابتداء اسلام کی سیاسی کش مکش سے پیدا ہونے  
والے اسلامی فرقوں میں کوئی فرقہ صحیح معنوں میں اگر باقی رہ گیا ہے تو وہ  
شیعوں کا فرقہ ہے لیکن ”شیعہ“ کے اسی لفظ میں میرا خیال ہے کہ سیاسی  
قصوں سے پیدا ہونے والے دینی فرقوں کی تاریخ پوشیدہ ہے۔

## لفظ شیعہ کا مطلب

کہنا یہ چاہتا ہوں کہ اب تو ”شیعہ“ کے اس لفظ سے جیسا کہ سب جانتے  
ہیں مسلمانوں کا ایک خاص فرقہ سمجھا جاتا ہے لیکن درحقیقت اسلام کی  
ابتدائی صدیوں کی سیاست کی یہ ایک سیاسی اصطلاح ہے یعنی موجودہ  
زمانہ میں ”پارٹی“ کے لفظ کا اس زمانہ میں تھا اسلامی تاریخ کا تھوڑا بہت  
مطالعہ بھی جن لوگوں نے کیا ہے وہ اس سے واقف ہیں۔ مثلاً اس موقعہ  
پر بے ساختہ ابن عساکر کی تاریخ دمشق کی ایک بات یاد آگئی، عباسیوں  
کا دوسرا خلیفہ ابو جعفر منصور اپنے دربار میں بیٹھا ہوا تھا اچانک درباریوں  
کی طرف خطاب کر کے ایک دن اس نے دریافت کیا۔

حجاج دشمن ہور ظالم امت، کا وصیت نامہ کسی کو یاد ہے؟۔  
دنیا کی عام تاریخ کے متعلق تو میں دعویٰ نہیں کر سکتا لیکن مسلمانوں  
کی تاریخ میں ”ڈکٹیٹر شپ“ کے طرز حکمرانی کا حجاج اپنے وقت میں شاید  
سب سے بڑا امام تھا بنی امیہ کی حکومت کے حکمرانوں کو اسی لئے مطاع

العنان و کٹیٹر کی حیثیت سے خود بھی ماننا تھا اور چاہتا تھا کہ دوسرے بھی ان کو حکومت کا ڈکٹیٹر تسلیم کر لیں۔ اس باب میں ہلکی سی مخالفت اس کے لئے ناقابل برداشت تھی، واقعات کا ایک ذخیرہ اس باب میں تاریخ کی کتابوں میں پایا جاتا ہے۔ اپنے اسی نقطہ نظر سے مرتے ہوئے۔ حجاج نے وصیت نامہ لکھوایا تھا جس میں کلمہ شہادت کے بعد تھا۔

”ولید بن عبد الملک جو اس کے زمانہ میں بنی امیہ کا حکمران تھا، اس کی فرماں برداری اور طاعت کے سوا حجاج اور کچھ نہیں جانتا اسی عہد پر عہدہ زندہ رہا اور اسی پر وہ مرا اور اسی عہد پر قیامت کے دن وہ اٹھے گا“

**آمریت اور حجاج** لے ولید بن عبد الملک کے دریافت کرنے پر حجاج نے خود ہی کہا تھا کہ لبنان اور سینیر د شام کا ایک پہاڑ، اگر ان دونوں پہاڑوں کے برابر زر خالص مجھے مل جائے اور سب کو خدا کی راہ میں خرچ کر دوں جب بھی میری یہ نیکی اس اطاعت اور فرماں برداری کے مقابلہ میں کچھ نہیں ہے۔ جو میرے دل میں آپ کی طرف سے پائی جاتی ہے اس نے کہا کہ مسلمانوں کا بتنا خون بھی اس سلسلہ میں یعنی ولید کے لوگ مطیع ہو جائیں میں نے پہایا ہے اس خون کی نہ مجھے پورا ہے اور نہ اس کا خوف۔ یاد رکھنا چاہیے کہ ایک لاکھ سے زائد مسلمانوں کو ستون میں باندھ کر اس ظالم نے اسی سلسلہ میں قتل کرایا تھا کہتا تھا کہ اللہ سے ڈرتے یعنی تقویٰ کے لئے تو فاتحوا اللہ ما امنت طغتم فرمایا گیا ہے لیکن اسی کے بعد **وَاسْمَعُوا** **وَاطِيعُوا** (سنو اور اطاعت کرو) کے حکم کو قرآن نے استطاعت کے ساتھ مشروط نہیں کیا ہے ۱۲ ص ۶۸ ج ۱۴ بن عساکر۔

وصیت نامہ کے عربی الفاظ جن کا ترجمہ میں نے درج کیا ہے ابو جعفر منصور نے ان کو سن کر دربار والوں سے کہا کہ :-

هَذَا وَاللَّهِ الشَّيْعَةُ لَا شَيْعَتَكَ  
یہ ہے شیعہ، نہ کہ تمہارے شیعہ

(تاریخ دمشق ابن عساکر ص ۶۷۲)

مطلب یہ تھا کہ پارٹی کے ساتھ وفاداری کی اصل حقیقت یہ ہے کہ زندگی و موت دنیا اور آخرت تک سب وفاداری کے جذبات میں غرق ہو جائیں۔ ابو جعفر کو اپنی پارٹی سے شکایت تھی کہ ہمارے شیعہ یعنی پارٹی میں وفاداری کا یہ بے پناہ جذبہ نہیں پایا جاتا۔

میں ابو جعفر منصور کے ان ہی الفاظ کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں اس زمانہ کی ایک سیاسی اصطلاح اس سے سمجھ میں آتی ہے یعنی اہل بیت نبوت یا حضرت علی کہم اللہ وجہہ کے حامیوں کی پارٹی ہی کو شیعہ نہیں کہتے تھے بلکہ "شیعہ" کا لفظ عام تھا جس کی اضافت عباسیوں، امویوں، اہل بیت وغیرہ سب ہی کی طرف کی جاتی تھی، بنی امیہ کے حامیوں اور پارٹی والوں کو شیعہ بنی امیہ، عباسیوں کی پارٹی والے شیعہ بنی عباس کہلاتے تھے۔ جیسے شیعہ علی یا شیعہ اہل بیت ان لوگوں کی تعبیر تھی، جن پر اب مطلق "شیعہ" کے لفظ کا اطلاق ہوتا ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ صورت حال اسی لئے تو پیش آئی کہ سارے مضاف الیہ جس کی طرف شیعہ کا یہ لفظ منسوب ہو کر استعمال ہوتا تھا یکے بعد دیگرے ختم ہوتے چلے گئے تا آنکہ "پارٹی" یا "شیعہ" ہونے کی حیثیت

سے صرف وہی لوگ رہ گئے جو اپنے آپ کو اہل بیت اور حضرت علی رضی  
کی پارٹی میں شمار کرتے تھے۔

اور یہی میرا مقصد ہے کہ "شیعہ" کے لفظ کا جو مفہوم اب ہو گیا ہے۔ یہ  
خود بتا رہا ہے کہ مسلمانوں کی بے شمار سیاسی پارٹیاں پیدا ہو رہی ہیں جو ختم ہوتی  
چلی گئیں پارٹیاں جنہوں نے مذہب کا چولا پہن لیا تھا اے دے کہ صرف  
ایک پارٹی اہل بیت کی حمایت کا دعویٰ کرنے والی باقی رہ گئی ہے۔ جن  
کو ہم اب "شیعہ" کہتے ہیں۔

اور سیاسی راہ سے پیدا ہونے والے فرقوں میں تو خیر شیعوں کا یہ  
فرقہ باقی رہ گیا ہے لیکن اسلامی دین کے دائرے میں داخل ہونے والی  
قوموں کے جن مذہبی الائنمنٹوں سے متاثر ہو کر مسلمان میں جو فرقے پیدا  
ہوئے تھے ان کا حال تو اس سے بھی زیادہ عجیب ہے اور تو اور اس سلسلہ  
میں سب سے زیادہ باتوئی متہ زور قلم کے دھنی جتنی فرقہ معترضہ کا تھا۔  
جسے وقتاً فوقتاً سیاسی حکومت کی پشت پناہی بھی حاصل ہوتی رہی۔  
بعض خلفائے بھی اعترافی رنگ چڑھ گیا تھا اور وزراء و قاضی القضاة وغیرہ  
جیسے اقتدار ہی عہدوں پر بھی اس فرقہ کے فضلا و علما قابض رہے ان کے  
ہاتھ میں قلم کے ساتھ تلوار اور تلوار کے ساتھ قلم بھی تھا معرکتہ الاراکت میں  
اپنے خیالات و عقائد کی تائید میں اس فرقہ کے اہل قلم نے لکھیں یہ سب  
کچھ ہوا مگر جیسا کہ طاش کیری زادہ کا بیان ہے نقل کرا چکا ہوں۔

کان علم الکلام بایدی المعتزلة معتزله کے ہاتھ میں علم کلام کی باگ دوسرے

ماثی سنہ مابین الماشتا والثلاث<sup>ث</sup> سال تک رہی یعنی پہلی صدی سے اور تیسری صدی

ماثی ۳۰۰ مفتح العادة کے درمیان میں -

گویا تیسری صدی سے معتزلہ کا زور ختم ہونے لگا اور آج حال یہ ہے کہ بجز چند غیر کلامی کتابوں کے مثلاً زنجبیری کی تفسیر کشاف بغیبت کی بعض کتابوں کے سوا دنیا کے کتب خانوں میں فرقہ معتزلہ کے مصنفین کی ان کتابوں کا ایک ورق بھی مشکل ہی سے مل سکتا ہے جو اعتزالی عقائد و خیالات کی تائید میں لکھی گئی تھیں کہہ چکا ہوں کہ آج اس فرقہ کے متعلق ہم جو کچھ بھی جانتے ہیں وہ صرف اہل السنۃ والجماعۃ کی کتابوں کا صدقہ ہے کہ تردیداً جواب دینے کے لئے انہوں نے اعتزالی عقائد کا تذکرہ اپنی کتابوں میں کر دیا تھا۔

اور جب معتزلہ کا یہ حشر ہوا تو نسبتاً جن فرقوں کے پاس نہ معتزلہ کی قوت تھی نہ دولت، نہ علم نہ فضل، بھلا وہ بے چارے کیسے زندہ رہ سکتے تھے میرا تو خیال یہی ہے کہ جیسے جیسے نسلیں گزرتی گئیں ان کا تعلق قدرتاً ان اوہام و خرافات سے کمزور ہوتا چلا گیا، جنہیں ان کے آباؤ اجداد اپنے ساتھ لائے تھے۔ خالص اسلامی تعلیمات کی روح سے بہ نسبت اپنے اسلاف کے اختلاف زیادہ قریب ہوتے چلے گئے تاہم وہ وقت بھی آگیا کہ سارے موروثی رجحانات انو مسلم خاندانوں سے مٹ مٹا کر ختم ہو گئے۔ اس راہ سے پیدا ہونے والے فرقوں کا صرف نام ہی نام اب کتابوں میں رہ گیا ہے اس سلسلہ میں معتزلہ ہی کیا دنیا کے پردے پر کرامیہ، رجبیہ، ہمیریہ وغیرہ،

کہاں مل سکتے ہیں؟ اس لحاظ سے بلا خوف تردد یہ کہا جاسکتا ہے اور یہی کہنا چاہیے کہ ایشیا و افریقہ بلکہ یورپ و امریکہ کے انسانوں میں اسلامی برادری "قرآن کی بدولت جو قائم ہو گئی ہے اور ستر کھروڑ سے پچاس کھروڑ تک اس قرآنی برادری میں شریک ہونے والوں کی تعداد کا تخمینہ آج جو کیا جا رہا ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس امت میں شیعوں کے سوا صرف ایک فرقہ اہل سنت والجماعت ہی کا باقی رہ گیا ہے اس میں شک نہیں کہ خوارج کی طرح شیعوں کی تعداد ناقابل لحاظ نہیں ہے لیکن جہاں تک میرا تخمینہ ہے اہل سنت والجماعت کے مقابلہ میں ہزار میں ایک کی نسبت بھی شیعوں کی ثابت ہو جائے تو اس سے زیادہ بڑا تخمینہ ان کے متعلق شاید کیا بھی نہیں جاسکتا گویا مسلمانوں میں ایسے فرقے جن کے اختلافات بنیادی اختلافات قرار دئے جاسکتے ہیں لے دے کر صحیح معنوں میں ان ہی دو فرقوں کے اندر منحصر ہو کر رہ جاتے ہیں اور خواہ مخواہ کا بھی اضافہ اگر کر لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ اس نوعیت کے فرقوں کو بہر حال تین سے زیادہ تو کسی طرح آگے بڑھایا نہیں جاسکتا۔

باقی مسلمانوں میں حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی وغیرہ ناموں سے جو کچھ سمجھا جاتا ہے کیا اس کو "فرقہ بندی" کے نیچے ہم داخل کر سکتے ہیں۔ آئیے اس داستان کو بھی سن لیجئے۔

سیاسی مقاصد و اعراض کی راہوں میں مذہب اور دین کے نام سے ناجائز نفع اٹھانے والوں کی طرف سے نئی نئی بازی گریاں اسلام کی ابتدائی



صدیوں میں جو کھیلی گئیں، یا باہر سے مختلف رجحانات کے جراثیم مسلمانوں میں وقتاً فوقتاً جو منتقل ہوتے رہے اس سلسلہ میں اختلافات کی جو صورتیں پیدا ہوئیں، رنگ رنگ کے بوقلموں شکوفے جو کھلے ان کے تاریخی نمونے تو گزر چکے، عرض کر چکا ہوں کہ ہونے کو تو یہ سب کچھ ہوا اور ان ہی کی بدولت "ملل و نحل" کے موضوع پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں اسلامی فرقوں کی فہرست کافی طویل و عریض نظر آتی ہے ستر بہتر ہی کیا گئے کے لئے کوئی بیٹھے تو شاید ان کی تعداد سیکڑوں سے بھی متجاوز ہو جائے اسی لئے بہتر بہتر فرقہ والی زبان زد عام روایت کا مطلب بعضوں کے نزدیک یہ ہے کہ کوئی خاص عدد مراد نہیں ہے، بلکہ عربی زبان کے محاورے کی بنیاد پر یہ سمجھنا چاہیے کہ فرقوں کی زیادتی و کثرت کی طرف اشارہ کیا گیا تھا، اس میں شک نہیں کہ پوری ہونے کی حد تک یہ پیش گوئی پوری ہوئی اور کتابوں میں جن فرقوں کا، اور ان کی اعتمادی و عملی خصوصیتوں کا جو ذکر کیا گیا ہے یہ فرضی واقعات نہیں ہیں۔

نہ سوچتے والے اسلامی فرقوں کی اسی ضخیم و کبیر فہرست کو دیکھ کر گھبرا جاتے ہیں حالانکہ کتابوں کے اوراق سے ہٹ کر چاہیے تھا کہ واقعہ کی جو صورت اب ہو گئی ہے اس کا بھی جائزہ لیا جاتا، بتا چکا ہوں اور جو چیز سامنے کی ہے اس کے لئے بتانے کی کیا ضرورت ہے، آخر مسلمان قوم یا امت اسلامیہ زمین کے اسی خاکی کمرے کے باشندوں کا تو ایک گروہ ہے۔ میں بار بار اسی حقیقت کی طرف توجہ دلاتا چلا آ رہا ہوں کہ شیعوں

کے سوا عدد واپہ مشکل ہزار میں ایک کی نسبت عام مسلمانوں کے ساتھ رکھتے ہیں اس لئے خود شیعوں کی عام فقہی اور دینی کتابوں میں غیر شیعہ مسلمانوں کی تعبیر ہی "العامہ" کے لفظ سے کی جاتی ہے۔

بس ان شیعوں کے سوا بتایا جائے کہ اہلسنت والجماعت باعوام جن کو سنی مسلمان کہتے ہیں اب مسلمانوں میں دنیا کے اس پردے پر صحیح معنوں میں دیکھئے تو سہی کہیں کسی فرقہ کا پتہ بھی ہے؟

میں نے پہلے بھی کہا ہے اور پھر کہتا ہوں کہ اسلام کے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کا کوئی دوسرا کارنامہ نہ بھی ہوتا تو یہی عجیب و غریب معجزانہ کامیابی کہ کسی خاص ملک، خاص قوم، خاص نسل کے لوگوں میں نہیں بلکہ عام بنی نوع انسانی میں ایک ایسی عظیم الشان، طویل الذیل برادری آپ کے طفیل میں قائم ہو گئی، جس میں سامی نسل والے بھی شریک ہیں اور وہ بھی جن میں آریوں کا خون ہے، تاتاری بھی ان میں ہیں اور منگولی بھی، حبشی بھی ہیں اور سوڈانی بھی، ایشیائی بھی ہیں اور افریقی بھی، بلکہ کافی تعداد یورپ کے باشندوں کی بھی ہے، اور امریکہ کی جدید دنیا بھی ان سے خالی نہیں ہے الغرض ان میں گورے، کالے، گندمی، بادامی سب رنگ کے آدمی دینی یک رنگی کے رشتہ کو قائم کر کے ایک دوسرے کے ساتھ مل جل گئے عالمی اخوت اور برادری کا یہ دائرہ روز بروز وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جا رہا ہے۔

یہی سوچنے کی بات ہے کہ دس بیس لاکھ کی تعداد میں نہیں بلکہ قریب

قریب نصف ارب سے زیادہ تخمینہ اس انسانی برادری میں شریک ہونے والوں کا کیا جاتا ہے، جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت اس وقت تک دنیا میں قائم ہو چکی ہے کسی عجیب بات ہے کہ بھانت بھانت کی نسلوں، زبانوں، رنگوں کے باوجود ان کی سب سے بڑی اکثریت میں ”سنی عقیدہ“ اور طرز زندگی کے سوا کوئی دوسرا دینی رنگ نہیں پایا جاتا۔

صرف یہی نہیں، بلکہ دین میں ان سے جو مختلف ہیں عرض کر چکا ہوں کہ ان ہی اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کے ساتھ ان کے پیغمبر نے صلوات ہواں پر سلام ہواں پر، اس انسانی برادری کا ایک ایسا رشتہ قائم کر دیا ہے کہ اہل کتاب جن جن بزرگوں کو اپنے دینی پیشواؤں اور مذہبی راہنماؤں میں وہ شمار کرتے ہیں وہ نوح ہوں یا ابراہیم موسیٰ ہوں یا عیسیٰ داؤد ہوں یا سلیمان زکریا ہوں یا یحییٰ (علیہم السلام) سب ہی پر ایمان لانا اسی طرح ضروری سمجھتے ہیں اور اسی کو اپنا دینی عقیدہ یقین کرتے ہیں جیسے اپنے پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ مانتے ہیں اس برادری کا ہر فرد اپنے آپ کو اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کے ان بزرگوں کا صحیح وارث اور سب ہی کا نام لیا جاتا ہے ان کا قریبی نعرہ ہی یہ ہے کہ۔

دردِ حق سر مکنو نیم ما      وارثِ موسیٰؑ و ہارونیم ما

ان کے خواص ہی کا نہیں بلکہ عوام کا بھی جزء ایمان یہی عقیدہ ہے ذکر کر چکا ہوں کہ بات صرف باطنی احساسات ہی کی حد تک محدود نہیں ہے بلکہ اہل کتاب کے ساتھ رشتہ مناکحت کی اجازت بھی سارے آسمانی

ادیان کی تصدیق و توثیق کرنے والی اس انسانی برادری کو دی گئی اسی اجازت کے مطابق عمل بھی جاری ہے۔

مسجد نبوی میں عیسائیوں کو نماز پڑھنے

کی اجازت رسول صلعم

اور یہ رشتہ تو خیر گو نہ ایک دنیاوی تعلق کی شکل ہے، دین اور دین کا بھی سب سے اہم امتیازی عنصر عبادت پوجا پاٹ تک کی اجازت خود ان کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی عبادت گاہ بلکہ اس مسجد اقدس میں وی جو کعبہ کے بعد مسلمانوں کے نزدیک دنیا کی مسجدوں اور عبادت گاہوں میں سب سے زیادہ احترام کی مستحق ہے، آخر کون نہیں جانتا کہ بجز انی عیسائیوں کا جو وفد دربار نبوت میں حاضر ہوا تھا۔ صحیح روایتوں میں ہے کہ ان عیسائیوں نے مدینہ منورہ کی مسجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے

صلوا صلواتہم زاد العاد بزرگانی اپنے طریقہ سے نماز پڑھی یعنی عبادت کی

لوگ سوچتے نہیں ورنہ عالمین کی رحمت کا دامن تو اس سے بھی زیادہ فراخ اور وسیع تھا، ثقیف کے بت پرست مشرکین کا وفد

طائف والوں کو مسجد میں ٹھہرایا گیا

طائف سے جب مدینہ پہنچا تو دیکھے عسیرت طیبہ کی عام کتابوں میں

یہ واقعہ آپ کو مل جائے گا کہ :-

جب تھیقہ اچھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو مسجد نبوی کے  
ایک گوشہ میں ان کے لئے خیمہ قائم کیا گیا جس میں  
وہ ٹھیرائے گئے۔

لما قدموا علی رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم ضرب  
علیہم رقبة فی ناحیة المسجد

ص ۲۴ زرقانی

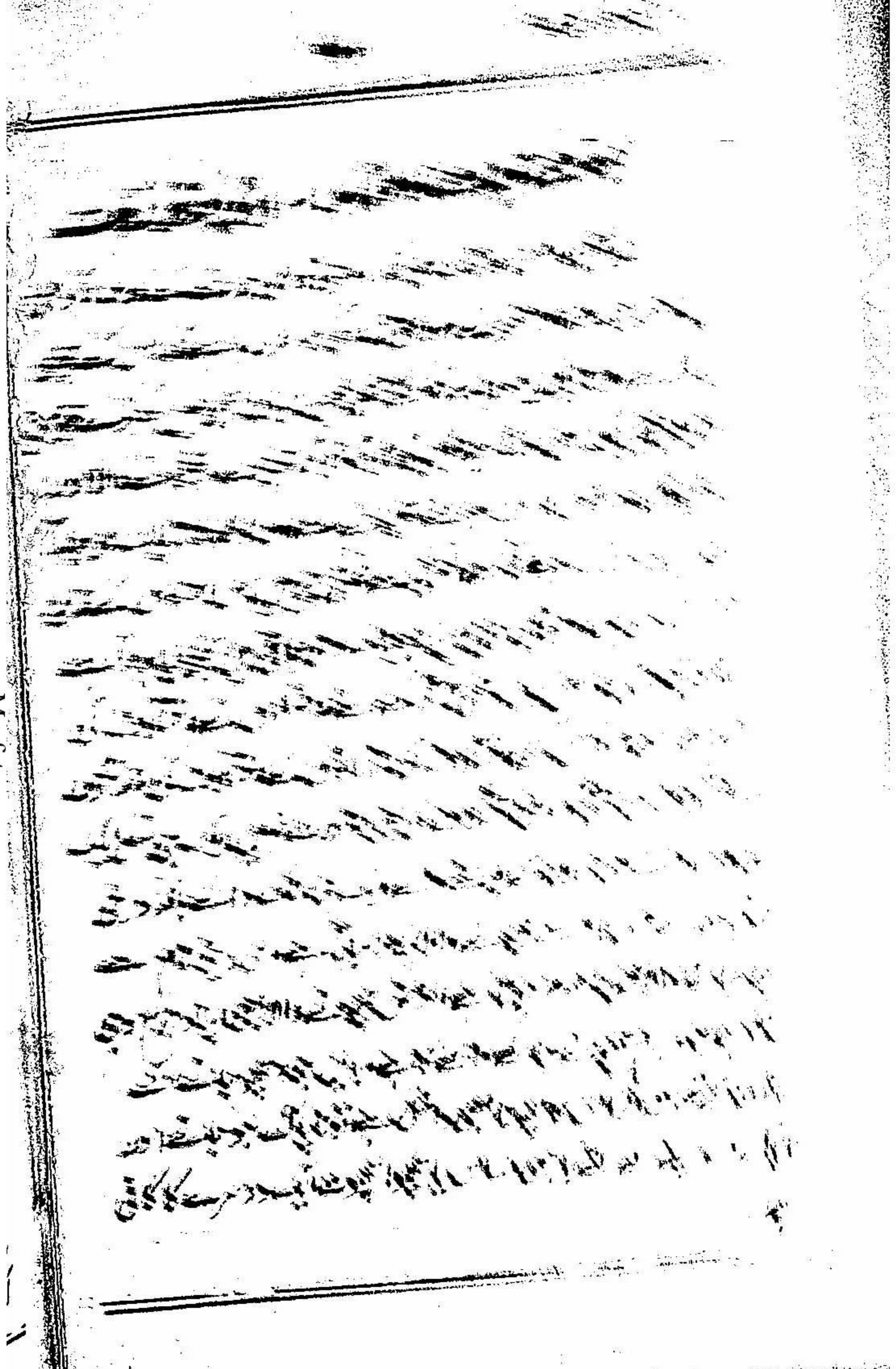
حالانکہ خیمہ قائم کرنے کے لئے مدینہ میں بھلا جگہ کی کوئی کمی تھی، لیکن  
مسلمان تو مسلمان، اہل کتاب تک طائف والے نہ تھے۔ لات نامی بت  
کے پوجاری تھے اور وہ سب کچھ تھے جو جاہلیت میں عرب کے عام  
باشندے ہو سکتے تھے۔ لیکن باپ ہمہ خیمہ ان کا مسجد نبوی کے ایک  
ناحیہ اور گوشہ ہی میں قائم کیا گیا۔ شمس الاممہ سمرحنی نے شرح سیر کبریٰ میں  
اسی روایت کا ذکر کرتے ہوئے یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ بعضوں نے کہا بھی  
کہ یہ لوگ تو ناپاک ہیں جو اب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ  
ان کی ناپاکی کا زمین سے کوئی تعلق نہیں

لیس علی الارض من نجاستہ

ہے۔

شیء ص ۹۲ ج ۱۔

حق تو یہ ہے، کہ بات کچھ مقابلہ سے سمجھ میں آتی ہے، یہی اپنا  
وطن ہندوستان ہے، اس میں "جات چار کی بہتوں سے  
انسانیت توڑی گئی تا آنکہ ان گنت طبقات میں یہاں کی آبادی  
بٹ گئی۔





نے خاک سے اٹھا کر آدم کی اولاد کو کاخ تک پہنچایا۔

ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدائے است

کاعرہ لگاتے ہوئے مسلمانوں نے زمین کے مختلف حصوں کو آج اپنا

وطن بنا لیا، اور وطن بنا لینے میں کامیاب ہوئے۔ کیا چھوٹ چھات کی

زنجیروں میں جکڑے ہونے کے بعد بھی اس میں وہ کامیاب ہو سکتے تھے۔

قومیں ابھی سوچ رہی ہیں پھڑے ہوئے باہم ایک دوسرے سے

بغل گیر ہونے کی تجویزیں ہی پاس کر رہے ہیں آبادہ کیا جا رہا ہے کہ ہر

آدمی دوسرے آدمی کو آدمی سمجھے، اپنا بھائی خیال کرے۔

لیکن جو کچھ سوچا جا رہا ہے وہ سب کچھ کیا جا چکا اور یقین مانئے کہ

جو کچھ بھی آئندہ ہو گا وہ "وحدت انسانی" اور انسانیت کے احترام کے

اسی پیغام کی تعمیل شکل ہوگی۔

## اہلسنت و الجماعت میں کوئی فرقہ نہیں ہے

خیر میں بہت دور نکلا چلا جا رہا ہوں ورنہ بات کہنے کی آخر میں جو رہ گئی

تھی، وہ صرف یہ تھی کہ مسلمانوں کے جس طبقہ کی تعبیر اہل سنت و الجماعت

یاسنی مسلمانوں سے میں کر رہا ہوں ان کے متعلق نہ جاننے والوں پر شاید

میرا یہ دعویٰ گراں گزر رہا ہو گا کہ سنی مسلمانوں میں دینی اختلاف یعنی ایسا

دینی اختلاف نہیں ہے جس کی وجہ سے ایک کے دین کو سمجھا جائے کہ

دوسرے کے دین سے جدا ہو گیا قرآنی تعبیر میں کہہ سکتے ہیں کہ۔



جنہوں نے جدا جدا کر لیا اپنے دین کو اور بن

الَّذِينَ تَفَرَّقُوا دِيَارَهُمْ وَكَانُوا

گئے وہ ٹولیاں۔

شِبَعًا (الانعام)

کا صحیح مصداق جن کے اختلاف کو ہم نہیں ٹھہرا سکتے اور اس قرآنی

حکم کے وہ مجرم نہیں ہیں۔

اور نہ ہو جانا ان لوگوں کی طرح جو جدا جدا ہو گئے

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا

اور اختلاف کیا۔

وَآخْتَلَفُوا (آل عمران)

بلاشبہ میرا یہی دعویٰ ہے کہ انہیوں کا ازالہ واقعات کے علم کے بعد خود

بخود ہو جائے گا اسی داستان پر میرا یہ مختصر مقالہ ختم ہو گا انشاء اللہ۔

کہنا یہ ہے کہ باس ہمہ وحدت و یکسانیت جو انسانی افراد میں پائی جاتی

ہے، جس کی وجہ سے خواہ ہم پہچانتے ہوں یا نہ پہچانتے ہوں کسی آدمی کو دیکھ

کہ ہم یقین کر لیتے ہیں کہ وہ گھوڑا یا بیل نہیں بلکہ ہمارا جنس انسان ہی ہے

وحدت کے ان عام پہلوؤں کے ساتھ ساتھ ہم میں ہر فرد بشر اپنے اپنے

جنس کے دوسرے افراد کے درمیان ممتاز ہو جاتا ہے زید زید ہے عمرو

نہیں ہے، ظاہر ہے کہ اس کی بنیاد و خط و خال ہیئت و صورت، شکل و

شماثل کے اختلاف ہی پر تو قائم ہے ان اختلافات کی مدیہ ہے کہ عموماً

ہم میں دو آدمیوں کی آواز بھی ایک دوسرے سے نہیں ملتی آواز نہیں ملتی،

چال نہیں ملتی، خط نہیں ملتا حال نہیں ملتا اور یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ

لہٰذا اس حدیث میں قابل عذر یہی بات ہے کہ تفرق (جدا جدا ہو جانے کے بعد) اختلاف سے ممانعت

کی گئی ہے نہ کہ نفس اختلاف سے۔

کہ وڑوں میں بھی تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ بائیں ہاتھ کے انگوٹھے کے نشانات ہر ایک کے اپنی خصوصیتوں کی وجہ سے پہچانے جاتے ہیں، حکومتیں اپنے فیصلوں میں "نشان ابہام" کے ان ہی فطری امتیازات پر اعتماد کرتی ہیں۔ اور جو حال باہر کا ہے وہی بلکہ شاید اس سے بھی زیادہ نازک نوعیت ہماری فطرت اور طبیعت کے اندرونی رجحانات و میلانات کی ہے بالکل ممکن ہے کہ مذاق و مزاج میں دو آدمیوں میں اتحاد ہو، اتنا اتحاد ہو کہ ۹۹ فی صدی اشتراکی نقاط اس باب میں دونوں کے متحد ہوں لیکن یقین کیجئے کہ آخر میں کوئی نقطہ دونوں میں اختلاف کا بھی ہوگا تجربہ یہی بتاتا ہے یعنی پھل کو دیکھ کر درخت کے پہچاننے کا جو طریقہ ہے اس سے بھی یہی سمجھ میں آتا ہے اور درخت سے جو پھل کو پہچانتے ہیں، وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ کائنات کے خالق نے گلاب کی ایک پنکھڑی بھی ایسی نہیں بنائی جو بعینہ دوسری پنکھڑی جیسی ہو تجلیات میں تکرار نہیں ہے، یہی صوفیوں کا بھی مکاشفہ ہے اور۔

روح جہاں پر ہر حرف مکرہ نہیں ہوں میں

ہمارے فلسفی شاعر کا فیصلہ بھی یہی ہے۔

پس یہ خیال کہ سارے انسانی افراد میں ایسی وحدت اور یگانگی پیدا ہو سکتی ہے کہ ظاہر اور باطناً کسی قسم کا اختلاف ان میں باقی نہ رہے یہ قدرت سے، قدرت کے قانون سے جنگ کا ارادہ ہوگا۔

لیکن ان ہی غیر ارادی، قدرتی اختلافات کے اندر، ارادی اتحاد کے

رشتہ کو قائم کرنا» وحدت انسانی» کے نظریہ کا امر کافی نصب العین اگر ہو سکتا ہے تو صرف یہی ہو سکتا ہے۔

اب آئیے اور دیکھئے کہ نصف ارب سے زیادہ تعداد والی برادری مسلمانوں میں جو اہل سنت والجماعت کے نام سے پائی جاتی ہے ان سنی مسلمانوں میں، اس میں شک نہیں، کہ بعض علاقوں کے مسلمان حنفی کہلاتے ہیں اور بعض کے شافعی، ان میں کچھ مالکی کے نام سے موسوم ہیں اور انہی میں بعضوں کو حنبلی بھی کہتے ہیں، بلاشبہ سنی مسلمانوں میں ان چار ناموں کے مسلمان باقی رہ گئے ہیں، اور یہ بھی صحیح ہے کہ صرف نام ہی کا یہ یہ اختلاف نہیں ہے بلکہ ان چاروں طبقات کے دینی کاموں میں بھی اختلاف پائے جاتے ہیں اور کافی اختلافات، لیکن سوال یہ ہے کہ ان اختلافات کی بنیاد پر سنی مسلمانوں کے ایک گروہ نے اپنے دین کو کیا دوسرے گروہ کے دین سے کبھی کسی زمانہ میں ایک لمحہ کے لئے بھی جدا کیا یا جدا سمجھا ہے؟

خود ان بزرگوں کے باہمی تعلقات اور ان کے احترامی حسن سلوک سے جو ناواقف ہیں جو نہیں جانتے کہ امام شافعیؒ امام مالکؒ کے تلمیذ رشید تھے یا احمد بن حنبلؒ امام شافعیؒ کی رکاب تھا مگر بغداد کے بازاروں میں، گھومتے تھے۔ امام شافعیؒ نے ابو حنیفہؒ کے شاگرد امام محمد بن حسن الشیبانی سے کتنا سیکھا اور کیا کیا سیکھا، امام ابو حنیفہؒ کے مرقد انور پر پہنچ کر امام شافعیؒ نے کیا کیا تھا ان نادانوں کو کم از کم اس کا تو اندازہ کرنا چاہیے کہ حنفی مسلمان جب امام شافعیؒ کا ذکر کرتا ہے تو امام ہی کے لفظ سے ان کا ذکر

کہتا ہے امام مالک کا نام امام کے لفظ بغیر لے نہیں سکتا، امام احمد حنبل کی داستان صبر و ابتلاء کو سن کر حنفی مسلمان بھی اسی قدر آب و دیر ہو جاتا ہے جتنا متاثر خود کوئی حنبلی مسلمان ہو سکتا ہے اور یہی کیا کون نہیں جانتا کہ تمام حنفی مسلمانوں کے نزدیک خدا رسیدہ بزرگوں میں احترام کا جو مقام ایک حنبلی بزرگ کو حاصل ہے، یعنی غوث اعظم قطب الاقطاب حضرت شیخ عبدالقادر گیلانی رحمۃ اللہ علیہ وہ حنبلی تھے، یا حجۃ الاسلام عزالی فخر الاسلام رازی باوجود شافعی المذہب ہونے کے حنفیوں کے بھی مالکیوں کے بھی حجۃ الاسلام اور فخر الاسلام ہیں، جلال الدین رومی حنفی ہونے کے باوجود سارے اسلامی طبقات میں میں مقبول ہیں، مجدد الف ثانی کو ہندوستان میں تو صرف حنفی مسلمان دین کا مجدد تسلیم کرتے ہیں، لیکن ہندوستان سے باہر نکل کر عراق میں، شام میں عرب میں لاکھوں لاکھ کی تعداد میں شوافع مالکیہ حنابلہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے ماننے والے آپ کو مل جائیں گے۔

سچ پوچھئے تو دینی اختلافات کا یہی رنگ مسلمانوں میں ایسا ہے جسے نہ سیاسی عوامل و موثرات کا نتیجہ قرار دیا جاسکتا ہے اور نہ باہر در آمد شدہ جراثیم سے اس کا تعلق ہے بلکہ صحیح معنوں میں اندرونی اسباب ہی پر اسکی بنیاد قائم ہے کچھ روایات اور زیادہ تر اسلامی کلیات کے تفصیلی نتائج اور استنباطی مسائل کے اختلاف سے یہ صورت حال پیدا ہوئی ہے۔

الکتاب یعنی قرآنی مطالبات الصلوٰۃ الزکوٰۃ الصوم والحج و غیرہ کی تعمیلی شکلوں کو کر کے خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دکھایا تھا، ان کی

روایت کرنے والے بزرگوں کے علم و فہم کے اختلاف سے روایتوں میں تھوڑا بہت اختلاف پیدا ہوا ابتداء اسلام میں ان روایتوں کو جن لوگوں نے منقح کرنا چاہا اور اس کے ساتھ اسلامی کلیات سے جو نتائج حسب ضرورت نکلتے رہے ان میں نتیجہ نکالنے والوں کے علم و فہم کے اختلافات سے یہی اختلاف کی ناکمز پر صورتیں جو پیش آئیں۔ کلیتہً اندر کی ان ہی دو باتوں پر بہر حال اس اختلاف کی بنیاد قائم ہے۔

یوں تو اس راہ میں کام کرنے والوں کی کافی تعداد اسلام کی ابتدائی صدیوں میں پائی جاتی تھی لیکن گھٹ گھٹا کر مٹا کر چار بزرگوں کے خدمات کو مختلف اسباب و وجوہ سے غیر معمولی حسن قبول حاصل ہوا۔ کتابوں میں ان کے تنقیح شدہ نتائج بدون ہونے امت میں ان ہی کتابوں کی اشاعت ہوئی اور ان ہی کے اسماء گرامی کی طرف چاروں طریقوں میں سے ایک ایک طریقہ منسوب ہے امام ابو حنیفہ کے مکتب خیال کے ماننے والے حنفی محمد بن ادریس شافعی کے ماننے والے شافعی، امام مالک بن انس کے ماننے والے مالکی، احمد بن حنبل کے ماننے والے حنبلی کے نام سے موسوم ہوئے۔

یہ ہے خلاصہ سنی مسلمانوں کے اندرونی اختلافات کے قصوں کا۔

اور یہ تو خیر عامیانہ اشارے ہیں، واقعات سے جو تا واقعہ ہیں ان کو صرف چوکنا نام مقصود ہے، اپنے معلومات کا وہ خود جائزہ لیں اور سمجھیں کہ ان بزرگوں کے ماننے والے مسلمانوں کے اختلاف کی واقعی نوعیت کیا ہے۔

حد تو یہ ہے کہ "تعلیم و تعلم" اور وہ بھی دین کی تعلیم و تعلم، یا اگر اس سے بھی آگے بڑھ کر دینی تربیت کے سلسلہ میں پیری و مریدی کے تعلقات میں بھی مسلمانوں نے کبھی یہ نہیں دیکھا کہ جس سے ہم دینی علوم کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں یا دینی تربیت کے لئے مریدی کا رشتہ قائم کر رہے ہیں۔ وہ تنفی ہے یا شافی، مالکی ہے یا حنبلی، بس جس کے پاس دین کا علم پایا گیا اور جس کی صحبت میں دیکھا گیا کہ لوگ دین دار بن جاتے ہیں ان سے علم بھی مسلمان ہمیشہ حاصل کرتے رہے اور دینی تربیت بھی ان سے پاتے رہے اول سے آخر تک مسلمانوں کی یہ تاریخ رہی ہے۔

یہی کیا، جانتے والے جانتے ہیں کہ اندرونی اختلافات کے ان قصوں میں بسا اوقات یہ صورت بھی پیش آئی ہے کہ کسی امام کے نقطہ نظر سے وضو ٹوٹ جاتا ہے لیکن دوسرے امام کے نزدیک نہیں ٹوٹتا، مثلاً بدن سے خون نکلے یا نکسیر چھوٹی پھینا لگا یا کیا۔ بایں ہمہ اول سے آخر تک ہر طبقہ کے مسلمان دوسرے طبقہ کے امام کے پیچھے نماز پڑھتے چلے آئے ہیں ابن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ میں نقل کیا ہے کہ امام احمد بن حنبل جو قابل تھے کہ خون نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، بغیر تازہ وضو کے نماز کی نماز درست نہ ہوگی، باوجود اس کے ان سے کسی نے پوچھا کہ ایسا آدمی جس کے بدن سے خون نکلا اور وضو کئے بغیر نماز پڑھا ہو تو ہم اس کے پیچھے کیا نماز پڑھ سکتے ہیں غضب ناک ہو کر پوچھنے والے سے امام احمد نے فرمایا کہ:

یعنی سعید بن المسیب کے پیچھے نماز کیسے نہ

کیف لا اصلی خلف سعید

پڑھوں گا۔

بن المسیب

مطلب آپ کا یہ تھا کہ خون نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا یہی فتویٰ المسیب بن المسیب کا تھا۔ ساری امت میں صحابہؓ کے بعد ان ہی کو بعضوں نے افضل التابعین قرار دیا ہے پھر کیا ان کے پیچھے نماز درست نہ ہوگی حاصل یہ ہے کہ گو خود امام کی تحقیق یہی تھی کہ خون نکلنے سے وضو ساقط ہو جاتا ہے لیکن بایں ہمہ جو کہتے تھے کہ نہیں ٹوٹتا ان کو بھی پر سر غلطی نہیں سمجھتے تھے بلکہ خیال ہی تھا کہ تحقیق سے وہ اسی نتیجہ تک پہنچے ہوں گے لیکن دین تو ہم سب کا ایک ہی ہے اور یہی دستور مسلمانوں میں شروع سے چلا آ رہا تھا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اسی موقع پر یہ بھی لکھا ہے کہ۔

«سارے صحابہ اور تابعین صحابہ کے شاگرد تربیت یافتہ حضرات اور ان کے بعد بھی بزرگوں میں دیکھا جاتا ہے کہ کوئی بسم اللہ کو نماز میں پڑھتا ہے کوئی نہیں پڑھتا۔ کوئی فجر میں قنوت کی دعا پڑھتا ہے۔ کوئی نہیں پڑھتا کوئی پچھتا لگاتے اور نکسیر پھوٹنے سے وضو کے ٹوٹ جانیکا قائل ہے کوئی نہیں اس قسم کے بیسیوں اختلافی مسائل کا ذکر کر کے لکھا ہے۔

مع هذا كان يفتي بعضهم بادبوا من ان في هرايك ودر سے کے

پیچھے نماز پڑھا کرتا تھا۔

خلف بعضی (ص ۳۸۱-۲۵)

ان تاریخی شواہد کی تفصیل کے لئے چاہیے کہ میرا مقالہ "تدوین فقہ" کا مطالعہ کیا جائے جس سے آپ کو معلوم ہوگا کہ خود امام مالک نے ایک سے زیادہ دفعہ عباسی حکومت کے خلفاء کو اس ارادہ سے روکا کہ امام مالک ہی کے فقہی نتائج کا سارے مسلمانوں

کو بزور حکومت پابند بنایا جائے۔ بلکہ اسکے مقابلہ میں امام نے مطالبہ کیا کہ جس علاقہ کے مسلمانوں میں جن علماء کے فقہی نتائج پھیل چکے ہیں ان کو خواہ مخواہ ان سے ہٹایا نہ جائے کیونکہ وہ بھی دین ہی کی ایک شکل ہے بلاوجہ لوگوں میں وحشت و نفرت کے جذبات کیوں ابھارے جائیں۔ خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز نے بھی کشتی فرمان جاری کیا تھا کہ جس علاقہ میں لوگ جن ائمہ کے اقوال پر عمل کر رہے ہیں۔ انکو اسی حال پر چھوڑ دیا جائے ان ہی عمر بن عبدالعزیز کے ایک فرمان کا ترجمہ یہ ہے۔

”ان اختلافات کی وجہ سے دین میں بڑی وسعت پیدا ہوئی میں دین کی راہ میں اس کو تمام قیمتی چیزوں میں بڑی غیر معمولی چیز سمجھتا ہوں وہ بڑی ناپسندیدہ حالت ہوتی کہ اس قسم کے مسائل میں لوگ کسی ایک ہی پہلو پر سمٹ جاتے۔“  
مشہور محدث و فقیہ سفیان ثوری تو ان لوگوں کو ٹوک دیا کرتے تھے جو ائمہ اجتہاد کے ان فقہی اختلافات کو اختلافات کے نام سے موسوم کرتے اور ہدایت کیا کرتے کہ بھائی ایوں کہا کرو کہ علماء نے مسلمانوں کے لئے یہ گنجائش اور فراخی دین میں پیدا کی رمیز ان الکبریٰ شعرانی ص ۲۱۔

اور یہ خیال کچھ اگلے بزرگوں ہی کا نہ تھا۔ بارہویں صدی ہجری میں فتاویٰ کی آخری کتاب حنفی فقہ کی جیسا کہ جاننے والے جانتے ہیں۔ شامی ہے اس کتاب کے شروع میں بھی فقہی اختلافات کے متعلق یہی نقطہ نظر اختیار کیا گیا ہے کہ

لے مسند دارمی میں عمر بن عبدالعزیز کے فرمان کا یہ فقرہ مل جائے گا کہ لیقضی کل قوم بما اجمعت علیہ

فقہاً وھم جن لوگوں نے پچھلے دنوں ہندوستان میں اس شورے کی خلاف ورزی کر کے چھوٹی چھوٹی

باتوں میں فتنے برپا کئے انکو چاہیے کہ دارمی مطبوعہ ہند کے صفحہ ۸۰ میں اس قول کو پڑھیں۔



مشکلات ہیں مسلمانوں کے لئے ان ہی اختلافات کی بنیاد پر آسانی کی صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔ استدلال میں فتاویٰ تیار خانہ سے جو ہندوستان میں تانا رخان تغلقیوں کے وزیر کے حکم سے مدون کیا گیا تھا۔ اس کی یہ عبارت نقل کی ہے کہ

فان فی اختلاف ائمة الهدی ائمة ہدی (یعنی اہل سنت کے ائمہ مجتہدین) کے توسعة للناس ص ۶۳ اختلافات سے درحقیقت لوگوں کیلئے گنجائش پیدا ہوتی ہے۔

حالانکہ پچھلے زمانہ کے فقہاء سخت گیری اور تشدد میں عموماً مابذ نام ہیں۔ لیکن شامی تک میں جب فخر الاممہ صاحب معراج الدر ایہ کے اس قول کو نقل کر کے سراہا ہے کہ۔

”فقہاء کے مختلف اقوال میں سے کسی قول پر مسلمانوں کی آسانی کے

لئے ضرورۃً فتویٰ دیا جائے تو یہ اچھی بات ہوگی، ص ۶۹ شامی ج ۱

مطلب یہی ہے کہ لفظ ہر وہ قول ضعیف اور مرجوح ہی کیوں نہ ہو، لیکن دشواری میں کوئی مسلمان اگر مبتلا ہو گیا ہو تو ایسے مواقع پر ضعیف اور مرجوح اقوال کی پشت پناہی میں اس مصیبت زدہ کی امداد علماء کے لئے باعث ثواب ہوگا۔ بہر حال تفصیلات کے لئے مطولات اور بڑی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیے خصوصاً علامہ عبدالوہاب شمرانی کی کتاب میزان الکبریٰ کا مطالعہ ان لوگوں کے لئے مفید ہوگا جو ان ہی فقہی اختلافات کا تذکرہ کر کے دین سے دلوں میں بیزاری پیدا کرنا چاہتے ہیں میرا مقالہ جو عثمانیہ یونیورسٹی کے رسیرچ جرنل یعنی ”مجلہ“ تحقیقات علمیہ میں شائع ہو چکا ہے مل جائے تو اس کو بھی پڑھئے آپ کو

پتہ چلے گا۔ کہ اس قسم کے اختلافات میں مسلمانوں کے ارباب تحقیق کا فیصلہ یہ ہے کہ ان میں جو بھی اپنے اجتہاد اور کوشش سے جس نتیجہ تک پہنچا ہے نتیجہ درست اور صحیح ہے شاہ ولی اللہ علیہ تہ عقدا الجید میں لکھا ہے کہ۔

”امام ابو الحسن اشعری قاضی ابوبکر باقلائی اور ان سے پہلے قاضی

ابویوسف اور محمد بن حسن ابن شریح اس خیال کو ظاہر کر چکے ہیں

یعنی ہر پہلو ان اختلافی مسائل کا صحیح اور درست ہے۔“

شاہ صاحب نے آخر میں لکھا ہے کہ۔

جمہور متکلمین اشلعہ اور معتزلہ دونوں ہی کی طرف ہی خیال کتابوں

میں منسوب کیا گیا ہے۔“ (عقدا الجید ص ۱۱۱)۔

مسئلہ کو سمجھاتے ہوئے ارقام فرمایا ہے کہ ان اختلافات کی مثال ایسی ہے

جیسے حدیثوں میں آیا ہے کہ

أُنزِلَ الْقُرْآنُ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرَفٍ

قرآن سات (یعنی بہت سے) حرف پر نازل ہوا ہے۔

آخر ہم قرآنی الفاظ کی قراءتوں کی مختلف شکلوں کو جسے صحیح سمجھتے ہیں اجتہادی

مسائل کے اختلافات کے ہر پہلو کو صحیح قرار دینے میں کیا دشواری پیش آئے گی۔

بہر حال سلف سے خلف تک کتابوں میں بھی لوگ لکھتے چلے آئے ہیں اور

اول سے آخر تک مسلمانوں کی فہم عمومی کا عملی مذاق بھی یہی رہا ہے، تقلید تو کوئی

شبیہ نہیں لوگ کسی ایک امام کی ہی کرتے رہے ہیں، لیکن احترامی تعلقات اجتہاد

و تفقہ کے سارے آئمہ کیساتھ انہوں نے مسلسل باقی رکھے ہیں سب ہی کو مقبولان

حق اور دین کے راست باز پیغمبر کے دفا دار بزرگوں میں شمار کرتے رہے ہیں۔

لیکن باایں ہمہ اس کا اعتراف بھی واقعہ کا اعتراف ہوگا کہ خاص حالات کے زیر اثر کبھی کبھی تاریخ کے طویل دور میں مسلمانوں پر ایسے نفعانی دورے ہوتے رہے جن میں دیکھا گیا ہے کہ روح سے بے تعلق ہو کر سبک دماغوں کا کوئی طبقہ گروہ دین کے صرف بیرونی خط و خال نوک پلک کے سنوارنے پر بے جا اصرار کر رہا ہے۔ غلو میں بڑھتے ہوئے اس سلسلہ میں اس حد تک پہنچ گیا کہ عام مسلمانوں کیلئے اس گروہ کا وجود باعثِ فتنہ و فساد و افتراق و شقاق بن گیا، نہ جانتے والے عموماً اس کی ذمہ داری فقہی اختلافات کے قصوں کے سر ٹھوپ دیتے ہیں۔

حالانکہ سچ پوچھئے تو ہر آبادی میں کچھ لوگ ایک خاص قسم کے نفسیاتی مرض اور ذہنی روگ کے شکار ہوتے ہیں ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ قدرتِ حق سے کہیں کسی سرکاری ملازمت کے حاصل کرنے میں مثلاً کامیاب ہو گئے تو انکی زندگی سمٹ سمٹا کر اسی ملازمت اور ملازمت کے قصوں میں کھپ جاتی ہے سرکاری ملازم کے جو فرائض ہیں کہ وقت پر کچھری میں آدمی حاضر ہو، خدمت جو اس کے سپرد کی گئی ہے دیانت و امانت کے ساتھ اس کے حقوق ادا کرے، لیکن ظاہر ہے کہ کچھریوں کا ملازم صرف کچھریوں کا ملازم ہی نہیں ہوتا وہ اپنے بچوں کا باپ بھی ہے بیوی کا شوہر بھی ہے عزیز بڑوں اور قریبوں کا رشتہ دار بھی ہے سوسائٹی کا ایک فرد بھی ہے الغرض کچھری کی زندگی کے سوا اور بھی بیسیوں شعبوں سے اسکا تعلق ہے، لیکن مذکورہ بالا نفسیاتی روگ کے پیاروں کی مصیبت یہ ہوتی ہے کہ ان کی ملازمت دفتر کی کر سی اور میز تک محدود نہیں ہوتی بلکہ اپنی بیوی بچوں میں بھی سرکاری ملازمت کا شعور ان کا گلا بکڑ سے رہتا ہے ملنے جلنے والوں کے سامنے بھی وہ سرکاری ملازم کے سوا

اور کسی شعور کو اپنے اندر نہیں پاتے، جاگتے بھی ہیں تو اسی تصور کے ساتھ کہ حکومت کا میں عمدہ دار ہوں اور سوتے بھی ہیں تو اسی خیال کے ساتھ سوتے ہیں الغرض زندگی کا کوئی لمحہ اس احساس سے ان عزیزوں کا خالی نہیں ہوتا، اکثر و بیشتر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اس قسم کے لوگ درحقیقت اپنی ملازمت کے حقیقی فرائض کی تکمیل سے قاصر ہوتے ہیں آخر دفتر کے باہر بھی جو سہ کارہی ملازم ہی بنا رہے گا تو دفتر کے اندر پہنچ کر تھے فرائض کا شعور اس میں نہ ابھرے اور اندر پہنچ کر بھی وہ باہر رہے تو اس قسم کی ذہنیت کا انجام عام حالات میں یہی ہونا چاہیے۔

## ایک نفسیاتی روگ

مذکورہ بالا نفسیاتی مرض کے مریضوں میں سے کسی کا ذہنی رشتہ کسی وجہ سے مذہب یا دین کے ساتھ جیب قائم ہو جاتا ہے اس کے تماشے بھی عجیب ہوتے ہیں اچانک اپنے ہم مذہب افراد کی عمومیت سے دیکھا جاتا ہے کہ اچک کر باہر ہو گیا جو کچھ سب مانتے ہیں وہی وہ بھی مانتا ہے، جو کچھ سب جانتے ہیں وہی سب کچھ وہ بھی جانتا ہے لیکن اس نفسیاتی بجران کے زمانہ میں چشم واپر وکے ہر اشارہ سے یہی ظاہر کرتا ہے کہ دین اور دینیات کے سوا نہ اس کے اندر کچھ باقی رہا ہے اور نہ باہر حرکت ہو یا سکون، نشست ہو یا برخاست، ہر حال میں ایسا معلوم ہوتا ہے اور شاید دوسروں کو وہ یہی معلوم بھی کرانا چاہتا ہے کہ براہ راست خدا سے اسی کا تعلق قائم ہے مذہب کے واحد جاگیر دار اور دین کے تنہا ٹھیکہ دار کی شکل میں اپنے آپ کو وہ نمایاں کرتا ہے اور یوں اپنے متعلق طرح طرح کی

خوش فہمیوں میں غلط ادھیچاں رہتا ہے۔  
 شاید اسی قسم کے نفوس اور ان کے نفسیاتی مرض کی طرف اشارہ کرتے  
 ہوئے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے تاریخ دمشق میں ابن  
 عساکر نے ان ہی کے حوالہ سے یہ قول ان کا نقل کیا ہے۔

اقوام یظہر علیہم سرعتا الا  
 نساب الی اللہ تعالیٰ عند الخواص  
 و نزول الاحکام فقال ابعدا  
 الناس عن اللہ من میدعی  
 الاشارة و القرب و اکثرهم  
 الیہ اشارة مقہور عندہ

کچھ لوگ ہوتے ہیں جن کو دیکھا جاتا ہے کہ ماہ میں بڑے  
 حوادث پیدا ہوتے ہیں یا احکام الہی جاری ہوتے ہیں ان کو  
 خدا کی طرف منسوب کرنے میں سب سے زیادہ پیش پیش نظر آتے  
 ابو سعید نے ان کا ذکر کر کے کہا، جو خدا کی طرف اشارہ کا اور خدا  
 سے نزدیک ہونیکا مدعی ہو وہ سب سے زیادہ خدا سے دور ہے  
 خدا کے غضب کا سب سے بڑا نشان دہی ہے جو سب سے زیادہ

(برہان میں) اسی کی طرف اشارہ کرتا ہوا دکھائی دے۔

(ص ۲۹۲)

شاید اسی معنوت و مبغوض طبقہ کے انجام کو دیکھ کر مسیح علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ  
 ”تم مجھروں کو چھانتے ہو اور اوٹوں کو نگلتے ہو“

ہندوستان میں بھی پچھلے دنوں زوال حکومت کے بعد مسلمانوں پر آفات  
 و مصائب کے جو پہاڑ ٹوٹے ان قصوں میں اور تو جو کچھ ہوا سو ہوا، ساتھ ہی اسلام  
 اور مسلمانوں کی رسوائی کی بعض ناگوار صورتیں اس شکل میں جو پیش آئیں کہ مسجدوں  
 میں دنگے ہو رہے ہیں، جوتے چل رہے ہیں، گتھم گتھی ہو رہی ہے ایک دوسرے  
 کو معمولی معمولی باتوں پر مسجدوں سے نکالنے پر اصرار کر رہا ہے، بسا اوقات بے  
 غیرت مسلمانوں کو اپنے دینی مسائل کے جھگڑوں میں انگریزی حکام کے سامنے

فیصلہ طلب کرنے کیلئے حاضر ہوتا پڑا، دین اسلامی کے اختلافی مسائل کے استعمال کی یہ ایک بدترین شکل تھی جو دین کے متعلق اسی قسم کے نازک احساسات و ابول کے غلط طریقہ عمل کی پیداوار تھی۔

اسلام کی روح اور دین کے مغز سے بے گانہ ہو کر صرف اسی پر زور ہے تھے کہ گو آہستہ آہستہ آئین کہنا بھی حدیثوں سے ثابت ہے لیکن زیادہ قوی حدیثوں سے ان کا دعویٰ تھا کہ زور سے آہن کی آواز کا منہ سے نکالنا یہی بہتر ہے یا بجائے ناف یا زہیر ناف کے نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنا خیال کرتے تھے کہ زیادہ اچھا ہے رکوع میں جاتے ہوئے پا اس سے اٹھتے ہوئے کوئی۔ دونوں ہاتھوں کو نہ اٹھائے تو وہ بھی کہتے تھے کہ اس کی نماز ہو گئی تاہم اٹھانا ہاتھوں کا کہتے تھے کہ زیادہ ثواب کا کام ہے یہ سب کچھ ماننے کے باوجود ان ہی چند مسئلوں میں جو عمل غبار سے ہوئے ہنگامے چائے گئے جگ ہنسائیاں ہوئیں وہ بڑی دردناک داستان ہے فقہی اختلاف کے غلط استعمال کی یہ بڑی ہولناک تاریخی مثال ہے۔

اور گویا یہ جوش و خروش رفتہ رفتہ ٹھنڈا پڑتا چلا جا رہا ہے، لیکن دین کے صحیح احساس کا نتیجہ شاید ہم اسکو بھی قرار نہیں دے سکتے وہ تو جو کچھ ہو رہا تھا دینی احساس کی شدت کا نتیجہ تھا اور اب جو کچھ دیکھا جا رہا ہے دینی احساس سے بے گانگی کی یہ پیداوار ہے، جیسے جیسے مغربی تمدن کا اثر جاگزیں ہوتا جا رہا ہے دین کے فردعی مسائل تو خیر دور کی چیزیں ہیں خود اصل دین ہی سے لوگ بے تعلق ہوتے چلے جا رہے ہیں خدا ہی جانتا ہے کہ اس کا آخری انجام کیا ہو گا زوال حکومت کی چوٹ سے کچھ چونک پیدا بھی ہوئی تو اس چونک اور تذبذب کا رخ، اختلافی مسائل کی طرف پھر گیا ادھر سے

رخ کچھ ٹرا بھی ہو تو خطرہ پیدا ہو گیا ہے کہ اصل دین ہی کا قصہ را العیاذ باللہ ختم نہ ہو جائے۔

## ہندوستان کے مسلمانوں میں زوالی حکومت

### کے بعد ذہنی اختلال اور اسکے نتائج

یہ حال یہ کہتا چاہتا تھا کہ بجائے خود اندرونی اختلافات کے ان قصوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے، البتہ کبھی سبک مغزوں کے اسی طبقہ نے ان کو بھیانک اور حد سے زیادہ خوفناک بنا دیا۔ جیسا کہ پچھلے دنوں ہندوستان کے مسلمانوں میں زوال حکومت سے پیدا ہونے والی بے چینیوں کے سلسلہ میں دیکھا گیا تھا، لوگ حیران تھے کہ اجاتا یہ ہوا کیا جو حاکم تھے وہ محکوم بن گئے جن کا سب کچھ تھا ان کا کچھ باقی نہ رہا، پھر کچھ تو مذہب کے ان ہی فردی مسائل کے سلجھانے میں مشغول ہوئے شاید ان کا احساس تھا کہ ان مسائل سے غفلت کی سزا مسلمانوں کو قدرت کی طرف سے دی گئی ہے لیکن سلجھانے کی ہر کوشش مسائل کو الجھاتی ہی چلی گئی بعضوں نے فقہ کے ساتھ ساتھ حدیثوں کے قصہ کو بھی اسی لئے ختم کر دینے کا تہیہ کیا اور دعوت دینے لگے کہ عتاب الہی کے ازالہ کی کوئی شکل اس کے سوا نہیں ہے کہ سب کچھ چھوڑ کر اللہ کی کتاب پر مسلمانوں کو جمع کر دیا جائے مگر عمل کا جب وقت آیا تو جو ہونا چاہیے تھا وہی ہوا یعنی اللہ کی کتاب کے ساتھ جمع کر نیوالوں کا یہ طبقہ مسلمانوں کو اپنے اوپر ہی جمع کرنے لگا قرآن کے ساتھ ضروری قرار دیا گیا کہ قرآن سمجھانے والوں کے دماغوں اور بھجیوں پر بھی ایمان لایا جائے۔ اسی سلسلہ میں بعضوں نے تو قرآن کے ساتھ ساتھ خود اپنے اوپر ہونیوالی دجیوں پر بھی ایمان لانے کی دعوت حکومت سے محروم ہونے والے مسلمانوں کو دینا شروع

کیا کھوئی ہوئی حکومت کے ملنے کی واحد شکل یہی قرار دی گئی کہ محمد رسول اللہ کی وحی کے ساتھ جدید وحی کی روشنی حاصل کی جائے۔ گویا محمدی رسالت ناکافی ٹھہرائی گئی اور قرآن وحی جو آسمان سے اترنے والی وحیوں میں قرآن ہی کی رو سے آخری وحی ہے اسکے بعد ہی نئی اور جدید وحی کے نزول کا ادعا بے ثمری سے کیا گیا یا تدھنے والوں نے خدا پر تھوٹ بانڈھنا۔ بہر حال یہی خفقیانی دور سے تھے جو مختلف شکلوں میں دلوں اور دماغوں پر مختلف شکلوں میں پڑتے رہے اور یہ سب جو کچھ بھی ہوا نہ زیادہ ترمان ہی لوگوں کے ہاتھوں ہوا جو عام مسلمانوں کے مقابلہ میں اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی اختصاصی رشتہ کے مدعی بن بیٹھے تھے دین کی بے بنیاد جاگیر داری اور مذہب کی غلط اجارہ داری کے دھوکہ میں وہ مبتلا ہو گئے اگرچہ اسی کے ساتھ تاریخ ہی کی شہادت یہ بھی ہے کہ قصد اور ارادۂ فروری اختلافات کے ان قصوں کو چھڑ کر کبھی کبھی ناواقف غریب مسلمانوں کے اندر اپنا الوسیدھا کرنے کی نکو سیدہ کوششیں بھی کی گئیں بات بتنگر نی ہتل بڑھا کر مسہ بنا دیا گیا جو کچھ نہ تھا قرار دیا گیا کہ وہی سب کچھ ہے۔

یوں ائمہ اجتہاد کے ماننے والوں کو نگر یوں میں بانٹ بانٹ کر اپنی شکم پروری کا سامان بھی ماننا چاہیے کہ بعض سیاہ سینہ افراد نے کیا یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ اقرانقری کی پوشکیں مسلمانوں کے اندر زوال حکومت کے بعد پیدا ہوئیں ان میں بھی شکمی کاروبار والوں کا ہاتھ تھا یا نہیں، بلکہ عرض کر چکا ہوں میرا خیال یہی ہے کہ زیادہ تر اس نفسیاتی روگ کی پیداوار ہے جس کا بد قسمتی سے اس زمانہ میں دین ہی سے تعلق قائم ہو گیا تھا۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ اس جھیلے میں شکمی



عیارانِ شاطر بھی شریک ہو گئے ہوں۔

بہر حال ہندوستان میں دینی جھگڑوں کے یہ تماشے جو دیکھے گئے دین کے صحیح احساس پر اس کی بنیاد یقیناً قائم نہ تھی۔ اب خواہ تہ میں ان کے وہی نفسیاتی مرض ہو یا شکمی تقاضے پوشیدہ ہوں، تاہم یہ بھی قطعاً بہتان اور افترا ہے کہ باتنے والوں نے مسلمانوں کو کلیتہً فقط اپنے پیٹ میں کچھ ڈالنے کیلئے ہی بانٹا تھا بلکہ کہہ سکتا ہوں کہ اکثریت اس جرم سے اپنا حسن ظن تو یہی ہے کہ ٹوٹا بڑی اور پاک تھی۔

شکم پروری کے لئے دینی جھگڑوں کی پسندائش  
لیکن پیٹ کے لئے ناواقف مسلمانوں کو کبھی بانٹا نہیں گیا ہے یہ بھی کلیتہً  
درست نہیں ہے۔ چوتھی صدی ہجری کے ایک بڑے فہیم و زکی، عالم بیدار مغز  
سیاح علامہ مقدسی ہیں، انہوں نے سیاحت کے بعد سفر کی یادداشتوں کو ایک  
کتاب کی شکل میں مرتب بھی کر دیا تھا۔ کتاب یورپ میں طبع ہو کر شائع بھی ہو چکی  
ہے، اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ سارے اسلامی ممالک  
جن میں مقدسی گھومے ہیں وہاں کے مسلمانوں کے دینی رجحانات کا یہی تذکرہ کرتے چلے گئے ہیں  
نہ اسان میں جب پہنچے تو لکھا ہے کہ

”حنفی مسلمانوں کو دیکھا کہ ان کو لوگ یہاں سمکیہ کے نام سے موسوم کرتے  
ہیں اور شافعیوں نے اپنے آپ کو صدیقیہ کے نام سے مشہور کیا ہے۔“  
آگے ان ہی کا بیان ہے کہ۔

بینہما عصبیات یہراق فیہا

رحنفیوں اور شافعیوں میں، لاگ ڈانٹ کے تعلقات

الدماغ ویدخل بینہما

قائم ہیں بسا اوقات اسی سلسلہ میں خون ریزیاں بھی ہوتی ہیں

حکومت کو دخل اندازی کی ضرورت ہوتی ہے۔

خراسان کے شہر سرخس میں پہنچے تو پایا کہ حنفیوں کو یہاں عروسیہ کہتے ہیں اور شافعیہ اپنے آپ کو اہلیہ کہتے ہیں آئے دن ان میں مذہبی جھگڑے ہوتے رہتے ہیں ہرات میں بھی تماشاخانہوں نے دیکھا حدیث ہے کہ مکہ معظمہ میں بھی مقدسی نے لکھا ہے کہ میں نے دیکھا کہ :-

”وہاں کے ہزارین (تصابوں) اور خیاطین (دردنیوں) میں خوب جھگڑے ہوتے ہیں۔ تصابوں کی پارٹی سنی بن کر لڑتی تھی اور درزی شیعہ بن کر ان پر چڑھائی کرتے تھے۔“

عرب ہی کے مقام میامہ میں پہنچے تو لکھا ہے کہ :-

”وہاں دیکھا کہ تصابوں کی ٹولی الگ ہے اور بدوؤں سے انکی لاگ ڈانٹ چلی جاتی ہے دینی جھگڑے بڑھتے ہوئے اس نوبت کو پہنچ چکے ہیں کہ جامع مسجد تک کا ان لوگوں نے بٹوارہ کر لیا ہے، جب کوئی مسافر باہر سے ان کے یاں آتا ہے تو کہتے ہیں کہ ان دونوں فرقوں میں سے جس کے پاس تمہارا جی چاہے ٹھہر سکتے ہو ورنہ پھر یہاں سے نکل جاؤ“ ص ۱۲۔

بصرہ میں بھی بیان کیا ہے کہ

”شہریوں کو بھی ان ہی مذہبی قصوں کے سلسلہ میں لوگوں نے ہاتھ

رکھا ہے، آپس میں لڑتے رہتے ہیں اور اطراف نواح کے قصبوں

دیہاتیوں سے بھی لوگ ہر ایک کی مدد کیلئے آتے ہیں۔“

کتاب تو اس وقت میرے پاس نہیں ہے، لیکن یاد آتا ہے کہ معجم البلدان میں

”رے“ جس کے کھنڈروں کے پاس آج کل طہران کا شہر آباد ہو گیا ہے اسی ”رے“ کے ذیل میں لکھا ہے کہ۔

”حنفیوں اور شافعیوں کو اس شہر میں لڑایا گیا اور اتنا لڑایا گیا کہ برابر دیہاتیوں اور قصبوں سے اپنی اپنی پارٹی کی حمایت کے لئے ہرگے آتے رہتے تھے اتنی خونریزیاں ہوئیں کہ بالآخر ”رے“ کا اکثر حصہ ویران و برباد ہو کر رہ گیا۔“

لیکن ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے فروعی اختلافات سے ناجائز اور قطعاً ناجائز اٹھانیکی یہ تاپاک کوششیں تھیں۔ آپ دیکھ رہے ہیں قصابوں، وزیروں، بدووں یا اسی قسم کے بے چارے عامیوں، نادانوں کو بے وقوف بنا کر کام نکالنے والے اس زمانے میں بھی کام نکالتے تھے اور آج بھی اس راہ میں کامیابی کیلئے عوام کے ان ہی طبقے کو تاراج جاتا ہے ورنہ جہاں کے مسلمان پڑھے لکھے، صاحب فہم و بصیرت تھے ان ہی مؤرخین کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حرفیوں کی وہاں نہیں چلتی تھی۔ مقتدی کی کتاب میں انکی مثالیں بھی ملتی ہیں۔ قیروان جو کسی زمانہ میں افریقہ کا سب سے بڑا مرکزی شہر لاکھوں لاکھ کی آبادی والا تھا۔ مقتدی نے وہاں کے حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

”اس شہر میں حنفی بھی ہیں اور مالکی بھی جن میں کسی قسم کی کوئی کشمکش اور جھگڑے نہیں ہیں سب مل جل کر محبت و الفت کی زندگی بسر کرتے ہیں۔“ ص ۳۲۵۔

جس سے معلوم ہوا کہ مذہبی اختلافات میں بجائے خود فتنہ و فساد و شقاق و نفاق کے برائیم پوشیدہ نہیں ہیں بلکہ بھرنے والوں کا جب جی چاہتا ہے یا ضرورت محسوس ہوتی ہے تو ان میں بھی باہر سے زہر بھر دینے میں اسی جہاں کو دہاں میں مباح نے

نے ایک موقع پر پڑی دلچسپ تجربہ کی عبرت آموز خبر دی ہے بلخ کے متعلق یہ لکھ کر کہ  
 "اس شہر کو مذہبی جھگڑوں سے دیکھا کہ پاک ہے"  
 آگے وہی اطلاع دیتے ہیں کہ:-

و بلخ عصبیات غیر المذاہب  
 و كذلك فی جمیع البلدان  
 لیکن بجائے مذہب کے، وہاں غیر مذہبی تعصبات  
 کا زور ہے اور اسی طرح تمام شہروں میں کسی نہ کسی قسم کا  
 تعصب پایا ہی جاتا ہے۔

عصبیات ص ۳۲۶

یہ پڑے پتہ کی بات ہے اور یہی واقعہ ہے عرض کر چکا ہوں کہ نئی نوع انسان  
 کے افراد میں وحدت کے ساتھ کثرت اور اختلافات کے پہلوؤں کا پایا جاتا ایک  
 ناکمزیر قدرتی واقعہ ہے لیکن اختلاف کے ان پہلوؤں کے استعمال میں آپ کو اختیار  
 ہے چاہے فتنہ و فساد کے بھڑکانے میں ان کو استعمال کیجئے، چاہے گلہائے رنگ  
 رنگ کو زینت چمن قرار دے کر ان سے منافع حاصل کیجئے۔

### دینی قوموں کے خصوصی اوطان

سادہ دلوں کا ایک گروہ باور کئے ہوئے ہے کہ سارے جھگڑے مذہبی  
 اختلافات ہی سے پیدا ہوتے ہیں جن کے ختم کرنے کی دو ہی صورتیں ہیں یعنی  
 یا تو دنیا کو مذہب اور دین کے عنصر سے کلیتہً خالی کر دیا جائے اور یہ ممکن نہ  
 سکے تو دنیا کو جنت بنانے کی ایک شکل احمقوں نے یہ تجویز کی ہے کہ زمین کے  
 ہر حصہ کو کسی خاص دینی فرقہ کا وطن بنا دیا جائے جب یہ ہو جائے گا تو شاید خود  
 یہی باور کئے ہوئے ہیں اور دوسروں کو بھی باور کراتے پھرتے ہیں کہ آئے دن  
 کے جھگڑوں و رگڑوں سے ہمیشہ کے لئے فرصت ہو جائے گی۔

## امحقوں کی جنت

”امحقوں کی جنت“ صحیح معنوں میں اگر مالیخولیائی کی کوئی شکل ہو سکتی ہے تو شاید یہی تجویز ہو سکتی ہے آپ دیکھ چکے کہ ایک ہی مذہب کے ماننے والوں کو بھی جب آسانی مختلف ٹولوں میں بانٹ دیا جاسکتا ہے اور ایک فرقہ کو لے کر دوسرے فرقہ کے سروں پر ٹپکنے والے بہ سہولت تمام ٹپک سکتے ہیں تو آخر وہ ایک مذہب کی صحیح تعریف کیا کی جاتی ہے، جب حقیقتوں کو شناختیوں سے لڑایا جاسکتا ہے ایک کا خون دوسرے کے ہاتھوں بہانے میں بھی کامیابی حاصل کر لیا جائے کامیابی حاصل کر چکے ہیں تو آخر ”دینی وحدت“ کا ایسا قالب کون بنا سکتا ہے جس میں قطعاً کسی اختلاف کی سرے سے گنجائش باقی نہ رہے پھر تو مذہب کو ختم کر کے انسانوں کے باہمی اختلافات کے قصوں کو ختم کرنا چاہیے ہیں مقدسی نے تو کئی سو سال پہلے دیکھا تھا کہ جہاں مذہبی تعصبات نہ تھے وہاں غیر مذہبی عصبیتوں کی بنیاد پر لوگ آپس میں الجھے ہوئے تھے، لیکن ہم تو اپنی آنکھوں سے آج دیکھ رہے ہیں، ہماری صدی ہی اسی تماشے میں گزر رہی ہے کہ ایک ہی دین ایک ہی ایک کتاب کے ماننے والے بلکہ ایک ہی رنگ تقریباً ایک ہی نسل والے ٹھہر ٹھہر کر ایک دوسرے پر چڑھ دوڑتے ہیں، لاکھوں ہی نہیں بلکہ کروڑوں کی تعداد میں مقتولوں کی فہرستیں مسلسل بنتی چلی جا رہی ہیں، تقسیم کیلئے معمولی معمولی حیلے تراش لئے جاتے ہیں آخر جب کالے رنگ کے چہرے والوں کو اجلی کھال والوں سے رنگ کے اخلاقی پہلو کو ابھار کر ٹکرا دیا جاتا ہے تو کسی زمانہ میں لپتہ قدرالوں کی ایک صف بنا کر دراز قدرالوں سے یا چھوٹے کان والوں کو بڑے کان والوں سے بھڑا دیتے کو آپ عجیب بات کیوں سمجھتے ہیں، زمین کے فرضی دوہمی حدود کو وطن کا نام دے کر جب عوام کو کٹوا یا جاراہے تو اس

قہقہے کو گھروں اور پینگوں تک کیوں نہیں بڑھا جاسکتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ یوں مذہب اردین سے کسی کا دل بے زار ہو تو خبر یہ دوسری ہے لیکن لڑائی جھگڑوں کا التزام مذہب کے سرمنڈھٹا کہ سارے رگڑے جھکڑے مذہب سے پیدا ہوئے ہیں اور اسی بے سرو پا التزام کی نہمت جوڑ کر سر سے سے مذہب ہی کے پیدا کر دینے کا دوسرا جن دونوں میں پیدا ہو رہا ہے ان کو بجائے بننے کے ٹھک کر ذرا واقعات پر نظر رکھتے ہوئے رائے قائم کرنی چاہئے۔ دوسروں سے تو کچھ کہنے کا مجھے حق نہیں لیکن مسلمانوں سے کہہ سکتا ہوں کہ کم از کم ان کے منہ سے تو مذہبی اختلاف کی نوہ تو انبیاں قطعاً بھلی نہیں معلوم ہوتیں۔ مقدسی نے اپنی اسی کتاب میں مذہبی اختلافات کے قصوں کا تذکرہ کرتے ہوئے کوثر کے ایک پرانے بزرگ عمر بن مرہ ایک بڑا پر مغز بیان درج کیا ہے، خلاصہ میں کا یہ ہے کہ ایک شخص عمر بن مرہ کے پاس حاضر ہو کر کہنے لگا کہ جناب والا میرا عجیب حال ہے اب تک مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں شریک ہو ہو کر الگ ہوتا رہا ہوں ہر فرق اپنی تائید میں قرآن ہی سنا رہے ہیں تو ان مذہبی جھگڑوں سے تنگ آ گیا ہوں بتائیے کہ آخر میں کروں کیا؟ عمر بن مرہ نے کہا کہ اسے شخص سن تو نے مسلمانوں کے مذہبی اختلافات کا ذکر کیا میں پوچھتا ہوں تو جواب دیتا جا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں اور جو کچھ اللہ کے پاس سے لائے سب سچ ہے کیا مسلمانوں کا اس میں اختلاف ہے؟ جواب دیا گیا نہیں۔

قرآن خدا کی کتاب ہے کیا مسلمانوں کا اس میں اختلاف ہے؟ نہیں پانچ وقتوں کی نمازیں فرض ہیں کیا مسلمانوں کا اس میں اختلاف ہے؟ نہیں کعبہ مسلمانوں کا قبلہ ہے کیا اس میں اختلاف ہے؟ نہیں کیا رمضان کے مہینے میں روزے فرض ہیں اس میں اختلاف ہے؟ نہیں بیت اللہ کا حج مسلمانوں پر فرض ہے کیا اس میں اختلاف ہے؟

نہیں۔ زکوٰۃ فرض ہے اسمیں اختلاف ہے؟ نہیں۔

جنابت دنا پاک کی، سے پاک ہونے کیلئے غسل کرنا فرض ہے کیا اس میں اختلاف ہے؟

نہیں۔ الغرض ابن مرہ سلسلے یوں ہی سوال کرتے جاتے تھے اور جواب میں پوچھنے والا

بیچارہ نہیں نہیں کہتا رہتا تب عمر بن مرہ نے کہا کہ "دیکھو بھائی مسلمان کا جن مسائل

پر اتفاق ہے محکمت بھی ان ہی کو کہتے ہیں ان کو پکڑ لو اور اختلافی مسائل میں زیادہ عوز

نوح کی ضرورت نہیں ان کی نوعیت تشابہات کی ہے" اور آخر میں وصیت کی۔

"اہل کتاب کے بعد دین مسلمانوں کے سپرد کیا گیا ہمارے پہلوں نے یعنی صحابہ نے

دین کو جس شکل میں مانا اور برتایا ان ہی کا طریق کار اور ان ہی کا شیوہ اختیار کر کے مطلق

ہو جانا چاہیے۔ المقدسی نے ابن مرہ کے اس بیان کو نقل کر کے ایک قاضی صاحب

کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ جن جن لوگوں سے میں اب تک ملا ہوں ان میں سب سے زیادہ

اثر پریدان ہی سے ہوا، ان کی مجلس میں فردی اور فقہی اختلافات کا ذکر چھڑا تو میں نے دیکھا

کہ قید کی طرف اشارہ کرتے ہوئے وہی فرما رہے ہیں۔

من صلیٰ ہذا القبلة فہم اخواننا المسلمون۔ اس قبدا کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے ہیں وہ ہمارے مسلمان ہیں

آخر میں "المقدسی" نے اپنے ان احساسات کو درج کر کے مندرجہ ذیل فقرے پر

اختلافات کی اس بحث کو ختم کر دیا ہے یعنی

هذا التعصب الذی تری انما ثمرہ

الجهال والمسترفون من القصاص و

غیرہم واما الامۃ فعلی ما ذکرت۔

یہ تنگ نظریاں جنہیں تم دیکھتے ہو دراصل یہ شورش جاہلوں

کی پھیلائی ہوئی ہے اور قسمہ گودا غفلوں کی یہ اعتدالیوں کے

یہ نتائج ہیں امت اسلامی کو ان سے کوئی تعلق نہیں۔

فقیر بھی یہی عرض کرتا چلا آرہا ہے اسی پر اپنے اس مقالہ کو ختم کرتا ہے۔ واللہ ولی

الامر والتوفیق وعلی اللہ قصد السبیل ومنہا جائز ولو شاء لهداکم اجمعین۔۔۔۔

# ازراں اور خوبصورت دینی کتابیں

از مولانا سیدیاں اصغر حسین عکسی مجلہ - ۱۸/

حیاتِ شیخ الحدیث

علامہ شبیر احمد عثمانی عکسی کارڈ بورڈ ۳/۴۵

اسلام کے بنیادی عقائد

۳/۴۵ " " " "

اعجاز اللہ شان

۳/۳۰ " " " "

مجموعہ رسائل ثلاثہ

۳/- " " " "

العقل والنقل

مولانا مفتی محمد شفیع " " " " ۶/-

اسلام میں مشورہ کی اہمیت

۲/۵ " " " " " "

آدابِ انسبی (صلعم)

مولانا قاری محمد طیب " " " " ۶/-

شہید کربلا اور زبیر

۶/- " " " " " "

شانِ رسالت بمعہ خاتم النبیین

۴/۵۰ " " " " " "

کلمۃ طیبہ بمعہ کلماتِ طیبات

۴/۵۰ " " " " " "

علم غیب

۴/۳۵ " " " " " "

فلسفہ تمنا ساز

۴/۲۵ " " " " " "

شرعی پردہ

مولانا سیدنا محمد حسن سیالوی " " " " ۳/۴۵

مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا فناء

مولانا محمد محترم فہیم " " " " ۳/۴۵

نماز اور اس کے مسائل

۲/۲۵ " " " " " "

معارف گنگوہی

۲/- " " " " " "

۲/- سال بھر کے مسنون اعمال

ہی طلب شریعہ

ادارہ اہل سنت لاہور © ۱۹۰ انارکلی — لاہور



# مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسار



مولانا سید ظہیر الحسن پیلانی



ناشر

اٹارڈ اسلامک پبلسھائونگ